"وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا" (المزمل: ۴)
آپ قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر (باتجوید) پڑھا کریں۔

فوائدِ مکیّۃ

مؤلفہ
حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمۃ اللہ علیہ

مع

حواشی مرضیّہ

علامہ قاری ابن ضیاء محب الدین احمد

مکتبۃ البشریٰ
کراچی - پاکستان

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً. (المزمل: ٤)

''اورآپ قرآن کوخوب ٹھہرٹھہر کر (باتجوید) پڑھا کریں۔''

فوائد مکیّہ

مؤلفہ

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکّی رحمہ اللہ علیہ

مع

حواشی مرضیہ

علامہ قاری ابن ضیاء محبّ الدین احمد

مکتبۃ البشریٰ

للطباعۃ والنشر

مکتبۃ البشریٰ

کراچی - پاکستان

کتاب کا نام	:	فوائدِ مکیۃ
مؤلف	:	حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکّی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد طباعت	:	۳۳۰۰
تعداد صفحات	:	۶۴
سن اشاعت	:	۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء
قیمت برائے قارئین	:	-/۳۰ روپے
ناشر	:	مکتبۃ البشریٰ
		چودھری محمد علی رفاہی وقف (رجسٹرڈ)
		Z-3، اوورسیز بنگلوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان
فون نمبر	:	++92-21-4023113
فیکس نمبر	:	++92-21-4620864
ای میل	:	al-bushra@cyber.net.pk
ویب سائٹ	:	www.ibnabbasaisha.com
ملنے کا پتہ	:	مکتبة علمية، بنوری ٹاؤن، کراچی۔ پاکستان
		++92-21-4918946, ++92-333-3213290, ++92-321-2242415
		مکتبة الحرم، اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان
		++92-321-4399313

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

فہرست کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مختصر تعارف	۵
۲	مقدمۃ الکتاب	۷
	باب اوّل:	
۳	فصلِ اوّل: استعاذہ اور بسملہ کے بیان میں	۱۰
۴	فصلِ ثانی: مخارج کے بیان میں	۱۵
۵	فصلِ ثالث: صفات کے بیان میں	۱۹
۶	فصلِ رابع: ہر حرف کی صفات لازمہ کے بیان میں	۲۲
۷	فصلِ خامس: صفاتِ ممیّزہ کے بیان میں	۲۳
	باب دوم:	
۸	فصلِ اوّل: تفخیم اور ترقیق کے بیان میں	۲۷
۹	فصلِ ثانی: نون ساکن اور تنوین کے بیان میں	۲۹
۱۰	فصلِ ثالث: میم ساکن کے بیان میں	۳۰
۱۱	فصلِ رابع: حرفِ غنّہ کے بیان میں	۳۱
۱۲	فصلِ خامس: ہائے ضمیر کے بیان میں	۳۲
۱۳	فصلِ سادس: ادغام کے بیان میں	۳۲
۱۴	فصلِ سابع: ہمزہ کے بیان میں	۳۵
۱۵	فصلِ ثامن: حرکات کی ادا کے بیان میں	۳۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
	باب سوم:	
۳۹	فصلِ اوّل: اجتماعِ ساکنین کے بیان میں	۱۶
۴۱	فصلِ ثانی: مدّ کے بیان میں	۱۷
۴۲	فصلِ ثالث: مقدار اور اوجہ مدّ کے بیان میں	۱۸
۴۹	فصلِ رابع: وقف کے احکام میں	۱۹
	خاتمہ:	
۵۴	فصلِ اوّل	۲۰
۵۷	فصلِ ثانی	۲۱
۵۹	قرآن مجید پڑھنے کے آداب	

مختصر تعارف

قاری عبدالرحمٰن مکّی رحمۃ اللہ علیہ

عجمی لوگ اور خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کے لیے قرآن کریم تجوید اور قرأت کے ساتھ پڑھنا ایک مشکل کام ہے، بفضلہٖ تعالیٰ علماء کرام فنِ قرأت کے ماہرین نے اس فن میں اتنی محنت کی کہ یہاں کے لوگوں لیے قرآن کریم پڑھنا ایسا آسان ہوگیا، جیسا کہ اہلِ عرب پڑھتے ہیں۔ اِسی میدان میں شہرت رکھنے والے مولانا قاری عبدالرحمٰن فرخ آبادی بھی اُن مایہ ناز قراء حضرات میں سے ہیں، جنہوں نے ہندوستان میں اِس علم کی آب یاری کی، لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ آپ کا مختصر تعارف قارئینِ کرام کے سامنے آجائے:

نام اور جائے پیدائش: عبدالرحمٰن، والد محمد بشیر خان جو کہ شیخ الشیوخ، محقّق وقت اور امامِ فن تھے۔ آبائی وطن قائم گنج ہے جو کہ ضلع فرخ آباد کا ایک قصبہ ہے۔

تعلیم و فراغت: آپ نے اپنے والد صاحب اور بڑے بھائی قاری عبداللہ صاحب کے ساتھ مکّہ مکرمہ ہجرت کی، وہاں پر بھائی سے علمِ تجوید و قرأت کی تکمیل کر کے ہندوستان آئے، اور کان پور میں مولانا احمد حسین صاحب کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔

درس و تدریس: اسی مدرسہ میں کئی سال تک قرأت کے مدرس رہے۔ پھر آپ کو شیخ عبداللہ رئیسِ الہ آباد مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد لے آئے۔ جہاں پر آپ سال ہا سال تک

درس وتدریس فرماتے رہے۔ جس سے یہ مدرسہ طویل عرصہ تک علمِ قرأت کا مرکز رہا۔

مشہور تلامذہ: آپ کے کثیر تعداد میں شاگرد ہوئے۔ ان میں مشہور مولانا قاری ضیاء الدین احمد صاحب اور مولانا قاری عبدالوحید صاحب ہیں۔

وفات: کچھ رنجش کی وجہ سے مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کے بلانے پر آپ الہ آباد سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ (لکھنؤ) تشریف لائے، دوسال کے قیام کے بعد ایک ہفتہ علیل رہے اور ۱۳۴۹ھ کو رحلت فرما گئے۔

تصانیف: آپ کے تصانیف میں سے ایک ''فوائد مکیہ'' اور دوسری ''افضل الدرّر'' (جو علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ رائیہ کی نہایت محققانہ شرح ہے) مشہور ہوئیں۔

حواشی فوائد مکیہ: ''تعلیقات مالکیہ'' از مولانا قاری عبدالمالک صاحب علی گڑھی، ''حواشی مرضیہ'' از مولانا قاری حافظ محبّ الدین احمد بن قاری ضیاء الدین احمد الہ آبادی۔

مکتبۃ البشریٰ

۸ر شوال ۱۴۲۸ھ

مقدمۃ الکتاب[۱]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَشَفِیْعِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّاتِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کو قواعدِ تجوید سے پڑھنا نہایت ہی ضروری ہے[۲]۔ اگر تجوید سے قرآن مجید نہ پڑھا گیا تو پڑھنے والا خطاوار کہلائے گا[۳]، پھر اگر ایسی غلطی ہوئی کہ ایک حرف دوسرے حرف سے بدل گیا یا کوئی حرف گھٹا بڑھا دیا گیا یا حرکات میں غلطی کی یا ساکن کو متحرک یا متحرک کو ساکن کردیا تو پڑھنے والا گناہ گار ہوگا، اور اگر ایسی غلطی ہوئی جس سے لفظ کا ہر

---

[۱] وہ مضامینِ ضروریہ جو کتاب کے متعلقات سے ہوں اور بصیرت وآسانی کے لیے مقصود سے پہلے بیان کیے جائیں، ان کو ''مقدمۃ الکتاب'' کہتے ہیں، اور یہ مقدمہ عام اور شامل ہے خاص مقدمۃ العلم کو بھی جس میں علم کی تعریف، موضوع، غایت بیان کی جائے۔ احقر ابن ضیاء محبّ الدین احمد عفی عنہ

[۲] سب سے پہلے تجوید کا حکم بیان فرمایا چنانچہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ع

وَالْأَخْذُ بِالتَّجْوِیْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ

یعنی تجوید کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے جو بمعنی واجب ہے۔

کماقال اللّٰہ تعالیٰ: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا. (سورۂ مزمل: ٤)

[۳] تجوید کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کی وعید بیان فرمائی جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ع

مَنْ لَّمْ یُجَوِّدِ الْقُرْاٰنَ آثِمٌ

یعنی جو شخص قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے۔

حرف مع حرکت اور سکون کے ثابت رہے صرف بعض صفات جو تحسینِ حرف[۱] سے تعلّق رکھتے ہیں، اور غیر ممیّزہ ہیں۔ یہ اگر ادا نہ ہوں تو خوف عقاب اور تہدید کا ہے، پہلی قسم[۲] کی غلطیوں کو ''لحنِ جلی'' اور دوسری قسم[۳] کی غلطیوں کو ''لحنِ خفی'' کہتے ہیں۔

تجوید[۴] کے معنی ہر حرف کو اپنے مخرج[۵] سے مع جمیع صفات[۶] کے ادا کرنا۔ اس کا موضوع[۷]

۱۔ اس سے مراد ''صفاتِ لازمہ غیر ممیّزہ'' ہیں، مثل: (غ، خ) کی صفتِ استعلاء کے یا (ط، ظ) کی صفتِ اطباق وغیرہ کے، جیسا کہ عطفِ تفسیری کے ساتھ خود بیان فرمایا کہ ''اور غیر ممیّزہ ہیں'' باقی صفتِ عارضہ کی قسم غیر ممیّزہ کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم بالصواب!

۲۔ یعنی جبکہ وضعِ کلمہ مہمل ہوجائے یا وضعِ کلمہ میں فرق ہوجائے، چاہے معنی بدلیں یا نہ بدلیں، اس قسم کی صریح اور ظاہر غلطیاں ہیں، اس وجہ سے ان کو ''لحنِ جلی'' کہتے ہیں۔

۳۔ یعنی صفاتِ غیر ممیّزہ یا صفاتِ عارضہ نہ ادا ہوں، اس قسم کی غلطیوں کو بوجہ عدم واقفیت غیر مجوّد نہیں سمجھ سکتے، اس وجہ سے ان کو ''لحنِ خفی'' کہتے ہیں، لیکن لحنِ خفی کو چھوٹی اور خفیف غلطی سمجھ کر اس کی طرف سے لاپرواہی کرنا بڑی غلطی ہے۔

۴۔ تجوید ایسے علم کا نام ہے جس کی رعایت سے قرآن شریف موافق نزول کے پڑھا جاسکے، کیونکہ قرآن مجید تجوید ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے، جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

لِاَنَّـهُ بِـهِ الْاِلٰـهُ اَنْـزَلَا وَهٰـكَـذَا مِـنْـهُ اِلَيْـنَـا وَصَلَا

پس قرآن مجید کو بلا رعایتِ تجوید پڑھنا ایک قسم کی تحریف ہے جو جائز نہیں۔

۵۔ جس جگہ سے صحیح حرف نکلتا ہے اس کو ''مخرج'' کہتے ہیں۔

۶۔ جس جس انداز سے حرف صحیح نکلتا ہے اس کو ''صفت'' کہتے ہیں، اور صفات جمع صفت کی ہے، جمع کے ساتھ اس لیے بیان کیا کہ ایک ایک حرف میں کئی کئی صفتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً: را میں جہر، توسّط، استفال، انفتاح، تکریر، پانچ صفات پائی گئیں۔ جیسا کہ صفات کے بیان اور نقشہ سے معلوم ہوگا۔

۷۔ جس کے حالات کسی علم میں بیان کیے جائیں وہ اس علم کا ''موضوع'' ہوگا، مثلاً: علمِ تجوید میں حرف کے مخارج اور صفات سے بحث کی جاتی ہے، تو اس وقت حروف تہجی کو علمِ تجوید کا موضوع کہا جائے گا۔

حروفِ تہجی اور غایت[1] تصحیحِ حروف ہے اور خوش آوازی سے پڑھنا امرِزائد[2] مستحسن ہے اور قواعدِ تجوید کے خلاف نہ ہو، ورنہ مکروہ ہے اگر لحنِ خفی لازم آئے، اور اگر لحنِ جلی لازم آئے تو حرام ممنوع ہے۔ پڑھنا اور سننا دونوں[3] کا ایک حکم ہے۔

[1] کسی کام کے کرنے پر جو نتیجہ وفائدہ مرتب ہوتا ہے اس کو ''غایت'' کہتے ہیں، مثلاً: تجوید کے ساتھ پڑھنے سے تصحیحِ کلام اللہ ہوگی، لہٰذا یہ غایتِ تجوید کہی جائے گی، اور اگر اس تصحیح سے غرض ثواب ہو تو اِن شاء اللہ ثواب بھی ملے گا۔

[2] یعنی خوش آوازی تجوید کے قواعد اور حکم وغیرہ سے خارج ہے اگر چہ امرِ مستحسن ہے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ''زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ'' یعنی اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو زینت دو۔ چونکہ بہت سے لوگوں نے خوش آوازی کو تجوید کا موقوف علیہ قرار دے رکھا ہے یہاں تک کہ علمِ تجوید حاصل نہیں کرتے کہ ہماری آواز اچھی نہیں، یا جن لوگوں میں فطرتاً خوش آوازی نہیں ہے ان کو باوجود صحیح پڑھنے کے مطعون کرتے ہیں، یا بعض لہجہ ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور تجوید کا خیال نہیں کرتے اس لیے فرمایا کہ خوش آوازی سے پڑھنا امرِ زائد و مستحسن ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ جب کہ لحنِ جلی لازم نہ آئے ورنہ حرام ہے اور اگر لہجہ کی بدولت لحنِ خفی لازم آئے تو مکروہ ہے۔ **کما ذکر شیخنا المصنف** رحمۃ اللہ علیہ

[3] یعنی جس طرح لحنِ جلی کے ساتھ پڑھنا حرام ہے اسی طرح لحنِ جلی کا سننا بھی حرام ہے، اور جس طرح لحنِ خفی کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح اس کا سننا بھی مکروہ ہے، بہرحال فعلِ ناجائز اور قبیح سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

بابِ[۱] اوّل

فصلِ[۲] اوّل: استعاذہ[۳] اور بسملہ[۴] کے بیان میں

قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے ''استعاذہ'' ضروری[۵] ہے اور الفاظ اس کے یہ ہیں: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. اگرچہ اور طرح[۶] سے بھی ثابت ہے مگر بہتر یہ ہے انہیں[۷] الفاظ سے استعاذہ ادا کیا جائے، اور جب سورت شروع کی جائے تو بِسْمِ اللّٰهِ کا پڑھنا بھی

۱ جس میں مختلف قسم کے عام مضامین مذکور ہوں اس کو ''باب'' کہتے ہیں۔

۲ جب ایک بیان کو دوسرے بیان سے جدا کرنا ہوتا ہے تو اس کو ''فصل'' کہتے ہیں، اس میں ایک خاص قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔

۳ جن کلمات کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگی جائے اس کو ''استعاذہ'' کہتے ہیں، اس کا نام ''تعوّذ'' بھی ہے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا۔

۴ اس کے معنی ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنا۔

۵ چونکہ ابتداءِ قرأت مہتم بالشّان ہے اس وجہ سے لفظ ''ضروری'' فرمایا، یہاں ضروری بمعنی واجب نہیں کیونکہ احناف کے نزدیک استعاذہ مستحب ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وَالصَّحِيْحُ اَنَّهَا مُسْتَحَبَّةٌ بِقَرِيْنَةِ الشَّرْطِ فَاِنَّ الْمَشْرُوْطَ غَيْرُ وَاجِبٍ.''

۶ جیسا کہ طیّبہ میں علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وَاِنْ تُغَيِّرْ اَوْ تُزِدْ لَفْظًا فَلَا　　تَعَدَّ الَّذِیْ قَدْ صَحَّ مِمَّا نُقِلَا

یعنی اگر الفاظِ استعاذہ متغیر کر دیئے جائیں یا الفاظِ استعاذہ زیادہ کیے جائیں تو ثبوتِ نقل سے نہ متجاوز ہوں۔ متغیر کی مثال: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ.'' اور زیادتی کی مثال: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.''

۷ جیسا کہ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اِعْلَمْ اَنَّ الْمُسْتَعْمَلَ عِنْدَ الْقُرَّاءِ الْحُذَّاقِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَاءِ فِي لَفْظِهَا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ دُوْنَ غَيْرِهٖ.'' یعنی ماہرین قرّاء کے نزدیک الفاظِ استعاذہ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ہی مختار ہیں۔

نہایت ضروری[1] ہے سوائے[2] سورۂ برأۃ کے اور اوساط اور اجزاء[3] میں اختیار ہے چاہے

[1] عَنْ ابْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فِي اَوَّلِ الْفَاتِحَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَعَدَّهَا اٰيَةً أَيْضاً فَهِيَ اٰيَةٌ أَيْضاً مُّسْتَقِلَّةٌ مِنْهَا فِي اِحْدَى الْحُرُوْفِ السَّبْعَةِ الْمُتَّفِقِ عَلٰى تَوَاتُرِهَا وَعَلَيْهِ ثَلٰثَةٌ مِنَ الْقُرَّاءِ السَّبْعَةِ: ابْنُ كَثِيرٍ وَعَاصِمٌ وَالْكِسَائِيُّ فَيَعْتَقِدُوْنَهَا اٰيَةً مِنْهَا بَلْ مِنَ الْقُرْآنِ اَوَّلُ كُلِّ سُوْرَةٍ (مِنَ الْاِتْحَافِ فِي الْقِرَاءٰتِ الْاَرْبَعَةِ عَشَرَ) وَقِيْلَ: اٰيَةٌ تَامَّةٌ مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَالزُّهْرِي وَعَطَاءٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُبَارَكٍ وَعَلَيْهِ قُرَّاءُ مَكَّةَ وَالْكُوْفَةِ وَفُقَهَاؤُهَا وَهُوَ الْقَوْلُ الْجَدِيْدُ لِلشَّافِعِي. (مِنْ مَنَارِ الْهُدٰى فِي الْوَقْفِ وَالْاِبْتِدَاءِ) وَالْحَاصِلُ اَنَّ التَّارِكِيْنَ اَخَذُوْا بِالْحَالِ الْاَوَّلِ وَالْمُبَسْمِلِيْنَ اَخَذُوْا بِالْاَخِيْرِ الْمُعَوَّلِ وَلَا يَخْفٰى قُوَّةُ دَلِيْلِ الْمُبَسْمِلِيْنَ لَاسِيَمَا مَعَ كِتَابَةِ الْبَسْمَلَةِ فِي اَوَّلِ كُلِّ سُوْرَةٍ اِجْمَاعاً مِنَ الصَّحَابَةِ. (مِنْ شَرْحِ الشَّاطِبِيَّةِ لِمُلّا على قَارِي) ثُمَّ الْمُبَسْمِلُوْنَ بَعْضُهُمْ يَعُدُّهَا اٰيَةً مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ سِوٰى بَرَاءَةٍ وَهُمْ غَيْرُ قَالُوْنَ. (مِنْ كَنْزِ الْمَعَانِي شَرْحِ حَرْزِ الْاَمَانِي) قَالَ السَّخَاوِيُّ تِلْمِيْذُ الشَّاطِبِيْ: وَاتَّفَقَ الْقُرَّاءُ عَلَيْهَا فِي اَوَّلِ الْفَاتِحَةِ كَابْنِ كَثِيْرٍ وَعَاصِمٍ وَالْكِسَائِيِّ يَعْتَقِدُوْنَهَا اٰيَةً مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ. وَالصَّوَابُ اَنَّ كُلًّا مِنَ الْقَوْلَيْنِ حَقٌّ وَاَنَّهَا اٰيَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ فِي بَعْضِ الْقِرَاءٰتِ وَهِيَ قِرَاءَةُ الَّذِيْنَ يَفْصِلُوْنَ بِهَا بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ وَلَيْسَتْ اٰيَةً فِي قِرَاءَةِ مَنْ لَمْ يَفْصِلْ بِهَا (النَّشْرِ فِي الْقِرَاءٰتِ الْعَشَرِ لِلْاِمَامِ ابْنِ الْجَزَرِي رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے پڑھا ہے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو فاتحہ کے شروع میں نماز کے اندر اور اس کو ایک آیت بھی شمار کیا، پس معلوم ہوا کہ یہ ایک مستقل آیت ہے، بعض قرّاء سبعہ کے نزدیک جن کے تواتر پر اتفاق ہے اور قرّاء سبعہ میں سے تین قاری ابن کثیر، عاصم اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم اسی پر ہیں۔ اور یہ تینوں فاتحہ کی ایک آیت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ قرآن شریف کے ہر سورت کے شروع کی ایک آیت مانتے ہیں۔ (اتحاف) اور کہا گیا ہے کہ ایک یہ آیتِ تامّہ ہے ہر سورت سے، یہ ابن عباس، ابن عمر، سعید بن جبیر، زہری، عطاء اور عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی پر قرّاء مکّہ، کوفہ اور وہاں کے فقہاء ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید یہی ہے۔ (منار الهدىٰ في الوقف والابتداء) حاصل یہ ہے کہ بسم اللّٰہ نہ پڑھنے والوں نے عمل کیا ہے شروع زمانہ پر اور پڑھنے والوں نے عمل کیا ہے اخیر زمانہ پر جو معتمد ہے اور بسم اللّٰہ =

بِسْمِ اللّٰهِ پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔ اَعُوْذُ اور بسم اللّٰہ پڑھنے میں چار صورتیں[ا] ہیں:

= پڑھنے والوں کی دلیل کی قوت مخفی نہیں خاص کر جب کہ بسم اللّٰہ ہر سورت کے شروع میں اجماعِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لکھی گئی ہے۔ (شرح شاطبیہ لملّا علي قاري) پھر بسم اللّٰہ پڑھنے والے بعض اس کو ہر سورت سے سوائے سورۂ براءۃ کے ایک آیت شمار کرتے ہیں اور وہ بعض علاوہ قالون رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ (کنز المعاني شرح حرز الاماني) سخاوی شاگردِ امام شاطبی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قرّاء نے اسکے جزءِ فاتحہ ہونے پر اتفاق کیا ہے مثل: ابن کثیر، عاصم اور کسائی رحمہم اللہ علیہم اس کو سورۂ فاتحہ اور ہر سورت سے جزء جانتے ہیں اور صواب یہ ہے کہ دونوں قول حق ہیں اور وہ آیت قرآن سے ہے بعض قرأت میں، اور وہ قرأت ان لوگوں کی ہے جو درمیان دو سورتوں کے بسم اللّٰہ سے فصل کرتے ہیں، اور جو لوگ اس سے فصل نہیں کرتے ان کی قرأت میں یہ آیت نہیں۔

۲ سورۂ برأۃ کے شروع میں بالاتفاق ترکِ بسملہ ہے، چاہے ابتداءِ قرأت ہو، چاہے درمیانِ قرأت ہو، اس لیے کہ بسم اللّٰہ آیتِ رحمت ہے، اور ابتداءِ برأۃ آیتِ غضب ہے جیسا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

وَمَهْمَا تَصِلْهَا اَوْ بَدَأْتَ بَرَاءَةً لِتَنْزِيْلِهَا بِالسَّيْفِ مُبَسْمِلاً

یعنی جب کسی سورت سے وصل کیا جائے سورۂ براءۃ کا، یا ابتداء کی جائے سورۂ براءۃ سے تو بسببِ نازل ہونے براءۃ کے ساتھ قہر کے بسم اللّٰہ نہیں ثابت، پس مناسب نہیں کہ آیتِ رحمت کو آیتِ غضب کے ساتھ جمع کیا جائے۔

۳ یعنی سورت کے درمیان سے شروع کرنے میں بسم اللّٰہ کے بارے میں اختیار ہے اگرچہ سورۂ براءۃ ہو۔

حاشیہ صفحہ ہذا[ا] یعنی ابتداءِ قرأت ابتداءِ سورت سے ہو تو استعاذہ اور بسملہ کے وصل وفصل کے لحاظ سے چار وجہیں ہیں، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہیں لیکن استعاذہ کا بسملہ اور قرآن سے فصل بہتر ہے، جیسا کہ "منار الهدیٰ في الوقف والابتداء" میں ہے: "اِعْلَمْ اَنَّ الْاِسْتِعَاذَةَ يُسْتَحَبُّ قَطْعُهَامِنَ التَّسْمِيَةِ وَمِنْ اَوَّلِ السُّوْرَةِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْقُرْآنِ." اور اگر سورۂ براءۃ سے قرأت شروع کی جائے تو استعاذہ کا وصل وفصل دونوں جائز ہے، جیسا کہ "اتحاف" میں ہے: "وَيَجُوْزُ الْوَقْفُ عَلَى التَّعَوُّذِ، وَوَصْلُهُ بِمَابَعْدَهُ بَسْمَلَةً كَانَ اَوْ غَيْرَهَا مِنَ الْقُرْآنِ" انتهیٰ.

(۱) فصلِ کل (۲) وصلِ کل (۳) فصلِ اوّل وصلِ ثانی (۴) وصلِ اوّل فصلِ ثانی۔

جب ایک سورت کو ختم[۱] کر کے دوسری شروع کریں تو تین صورتیں جائز ہیں اور چوتھی صورت جائز نہیں، یعنی فصلِ کل اور وصلِ کل، اور فصلِ اول وصلِ ثانی جائز ہے، اور وصلِ اول فصلِ ثانی جائز نہیں۔[۲]

فائدہ: امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جنکی روایت تمام جہان[۳] میں پڑھی جاتی ہے انکے یہاں **بسم اللّٰہ** ہر سورت کا جز ہے تو اس لحاظ سے جس سورت کو قاری بغیر **بسم اللّٰہ** پڑھے گا، تو وہ سورت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناقص ہوگی، ایسے ہی اگر سارا قرآن پڑھا جائے تو

۱؎ یعنی درمیانِ قرأت شروعِ سورت میں تین ہی وجہیں جائز ہیں، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے، اور اگر ابتداءِ قرأت درمیانِ سورت سے ہو تو بسم اللّٰہ پڑھنے کی صورت میں چاروں وجہیں جائز ہیں، لیکن شروع میں شیطان کا نام ہو تو وصل جائز نہیں، مثل: الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ اور اگر بسم اللّٰہ نہ پڑھی جائے تو استعاذہ کا وصل وفصل دونوں جائز ہیں لیکن شروع میں اللہ پاک کا کوئی نام ہو تو استعاذہ کا وصل نہ کرے، مثل: اللّٰہ، ھو اللّٰہ، الرَّحْمٰن وغیرہ۔

۲؎ کیونکہ بسم اللّٰہ کا شروع سورت سے تعلّق ہے اس وجہ سے بسم اللّٰہ کا وصل ختم سورت سے اور فصل شروع سورت سے جائز نہیں، جیسا کہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وَمَهْمَا تَصِلْهَا مَعَ اَوَاخِرَ سُوْرَةٍ ۔۔۔ فَلَا تَقِفِ الدَّهْرَ فِيْهَا فَتَثْقُلَا

یعنی جب کہ بسم اللّٰہ کا ختمِ سورت سے وصل کیا جائے تو نہ وقف کر اس وقت بسم اللّٰہ پر تاکہ دشواری میں پڑے، کیونکہ بسبب فصل کے بسم اللّٰہ کا شروع سورت میں نہ پڑھنا لازم آئیگا۔

۳؎ اس وجہ سے کہ امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمِ قرأت میں امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، لہٰذا موافقتِ قرأت و روایت کے احناف قرأت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی اور روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ کی پڑھتے ہیں، اور چونکہ روایتِ حفص بھی قرأۃ سبعۂ متواترہ میں سے ایک قرأت ہے، اور اس کے موافق قرآن شریف میں نقطے اور اعراب وغیرہ لگے ہیں، اس سہولت کی وجہ سے شوافع وغیرہ بھی انہیں کی قرأت پڑھتے ہیں۔

جتنی سورتوں میں بِسۡمِ اللّٰہِ نہیں پڑھی ہے اتنی آیتیں قرآن شریف میں ناقص[1] ہوں گی[2]۔

فائدہ: اگر درمیانِ قرأت کے کوئی کلام اجنبی[3] ہوگیا اگر چہ سلام کا جواب ہی کسی کو دیا ہو تو پھر استعاذہ دُہرانا چاہیے۔

فائدہ: قرأتِ جہریہ میں استعاذہ جہر[4] کے ساتھ ہونا چاہیے اور اگر آہستہ سے یا دل میں استعاذہ کرلیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ (بعض کا قول ایسا ہے)

---

[1] مگر یہ امر ظاہر ہے کہ بسم اللّٰہ کا ہر سورت کا جزء ہونا امرِ قطعی نہیں کیونکہ مجتہدین وفقہاء کا اختلاف ہے احناف جزءِ قرآن کے قائل ہیں، اور شوافع جزءِ ہر سورت کے قائل ہیں، ایسے ہی ابن کثیر، عاصم اور کسائی رحمۃ اللہ علیہم کی طرف نسبت اعتقادِ جزء ہر سورت کا ہونا امرِ ظنی ہے قطعی نہیں، کیونکہ کتبِ تفسیر اور قرأت کی کتابوں میں جن کے مؤلفین شافعی المذہب ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قرّاء جزءِ ہر سورت کے قائل ہیں اور ان قرّاء سے روایت اعتقادِ جزئیت ہر سورت کی نظر سے نہیں گزری، البتہ بسم اللّٰہ کی روایت ان قرّاء سے قطعی ہے اور اعتقادِ جزئیت یہ مسئلہ فقہی ہے علمِ قرأت سے اس کو تعلق نہیں۔

[2] کتبِ قرأت میں جو مسائل بیان کیے جاتے ہیں وہ تلاوت سے متعلق ہیں، لہٰذا تلاوت میں روایتِ حفص کی پابندی لازمی ہے اور تراویح وغیرہ کے مسائل فقہ سے متعلق ہیں، لہٰذا حنفیوں کو تراویح وغیرہ کے بارے میں امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید واجب ہے، چونکہ احناف کے نزدیک آیت: اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کے علاوہ بسم اللّٰہ ہر سورت کے شروع کا جزء نہیں صرف قرآن کا جزء ہے، لہٰذا قرآن بھر میں ایک جگہ کہیں بھی تراویح میں پڑھ لینے سے قرآن مجید پورا ہوجائے گا اس وقت روایتِ حفص کے موافق تکمیلِ قرآن کے مکلّف نہیں ہیں۔ پس عدمِ تقلید اور تخلیطِ قرأت دونوں سے بچنا ضروری ہے۔

[3] یعنی متعلقاتِ قرآن سے کوئی بات نہ ہوئی ہو، اس لیے کہ غیر متعلقاتِ قرآن منافی قرأت ہے، پس اگر بلاوجہ قرأت میں سکوت بھی پایا گیا تو استعاذہ پھر کرنا چاہیے کیونکہ اعراض عن القرأۃ لازم آئے گا اگر چہ ارادہ پھر پڑھنے کا ہو۔ ہاں اگر افہام وتفہیم معنی کی غرض سے سکوت ہو تو استعاذہ دہرانے کی ضرورت نہیں، پڑھتے پڑھتے وقت سے زیادہ رُک جانے کو سکوت کہیں گے۔

[4] بعض حضرات اس کو شرطِ وجودی اور شرطِ عدمی کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ شرطِ وجودی یہ کہ قرأت بالجہر ہو یا سامع ہو۔ اور شرطِ عدمی یہ کہ نماز میں نہ ہو یا قرآن کا دَور نہ کرتا ہو۔ اسی طرح سے حضرت نے ''فوائد مکیہ'' پڑھاتے وقت مجھ سے بیان کیا تھا۔ پھر بعد میں شرح شاطبی ملاعلی قاری میں یہی تقریر میں نے دیکھی ہے۔

فصلِ ثانی: مخارج کے بیان میں

مخارج حروف کے چودہ ہیں:

(۱) اقصیٰ حلق: اس سے ا، ء[1]، ہ نکلتے ہیں۔

(۲) وسطِ حلق: اس سے ع، ح نکلتے ہیں۔

(۳) ادنیٰ حلق: اس سے غ، خ نکلتے ہیں۔

(۴) اقصیٰ لسان اور اوپر کا تالو: اس سے ق نکلتا ہے۔

(۵) قاف کے مخرج سے ذرا منہ کی طرف ہٹ کر: اس سے ك نکلتا ہے، ان دونوں حرفوں کو یعنی ق، ك کو حروفِ لہویہ کہتے ہیں۔

(۶) وسطِ لسان: اس سے ج، ش، ی نکلتے ہیں۔

(۷) حافۂ لسان اور ڈاڑھوں کی جڑ: اس سے ض نکلتا ہے۔

(۸) طرفِ لسان اور دانتوں کی جڑ: اس سے ل، ن، ر نکلتے ہیں۔

(۹) نوکِ زبان اور ثنایا علیا کی جڑ: اس سے ط، د، ت نکلتے ہیں۔

(۱۰) نوکِ زبان اور ثنایا علیا کا کنارہ: اس سے ظ، ذ، ث نکلتے ہیں۔

(۱۱) نوکِ زبان اور ثنایا سفلی کا کنارہ مع اتصال ثنایا علیا کے: اس سے ص، ز، س نکلتے ہیں۔

(۱۲) نیچے کا لب اور ثنایا علیا کا کنارہ: اس سے ف نکلتا ہے۔

(۱۳) دونوں لب: اس سے ب، م، و نکلتے ہیں۔

---

[1] فرّاء کے مذہب کی بناپر الف اور ھمزہ کا مخرج ایک ہے، اس وجہ سے الف کو بھی ھمزہ کے ساتھ بیان فرمایا چونکہ الف مخرجِ مقدر جوفِ حلق سے نکلتا ہے اس وجہ سے اس کو ''حلقیہ'' نہیں کہتے بلکہ ''جوفیہ'' اور ''ہوائیہ'' کہتے ہیں۔ حروفِ حلقیہ: ان حروف کو کہتے ہیں جو بالاتفاق حلق کے مخرجِ محقق سے ادا ہوتے ہیں۔

(۱۴) خیشوم: اس سے غنّہ نکلتا ہے، مراد اس سے ''نونِ مخفیٰ''[۱] اور ''مُدغم بادغامِ ناقص'' ہے۔
فائدہ: یہ مذہب فرّاء وغیرہ کا ہے اور سیبویہ کے نزدیک سولہ مخارج ہیں انہوں نے (ل) کا مخرج حافۂ لسان، اس کے بعد (ن) کا مخرج کہا ہے، اس کے بعد (ر) کا مخرج ہے۔ اور خلیل کے نزدیک سترہ ہیں، انہوں نے (ل، ن، ر) کا مخرج جدا جدا رکھا ہے اور حروفِ علّت[۲] جب مدّہ[۳] ہوں ان کا مخرج جوف[۴] کہا ہے۔[۵]

---

[۱] مُخْفَیٰ بِضَمِّ الْمِیْمِ وَفَتْحِ الْفَاءِ صحیح ہے یعنی وہ غنّہ جو اخفاء اور ادغامِ ناقص کی حالت میں بقدر ایک الف نکلتا ہے اس کو ''حرفِ فرعی'' کہتے ہیں۔

[۲] یعنی واو اور یا کیونکہ الف ہمیشہ حرفِ مدّ ہوتا ہے۔

[۳] یعنی واوٴ ساکن سے پہلے پیش اور یائے ساکن سے پہلے زیر ہو، باقی الف ہمیشہ ساکن ماقبل زبر ہی ہوتا ہے لیکن جب همزه بشکل الف ساکن ماقبل زبر ہوگا تو اس الف پر جزم ضرور ہوگا اور جھٹکے سے پڑھا جائے گا جیسے: شَأْن. الف اور همزه میں یہی فرق ہے۔

[۴] یعنی واوٴ مدّہ اپنے ہی مخرج کے جوف سے اور یائے مدّہ اپنے ہی مخرج کے جوف سے اس طرح ادا ہوتے ہیں کہ مخرج کا تحقُّق نہیں ہوتا بلکہ مثل: الف کے واوٴ مدّہ اور یائے مدّہ بھی ہوا پر تمام ہوجاتے ہیں جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

فَـالِفُ الْـجَـوْفُ وَاُخْتَـاهَـا وَهِـيَ　　　حُـرُوْفُ مَـدٍّ لِـلْهَـوَاءِ تَـنْـتَـهِـيْ

[۵] فائدہ: یہ اختلافِ مخارج ۱۴، ۱۶، ۱۷ کا حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ فرّاء نے (ل، ن، ر) میں قرب کا لحاظ کر کے ایک کہہ دیا۔ سیبویہ اور خلیل نے قرب کا لحاظ نہ کر کے الگ مخرج ہر ایک کا بیان کیا، جیسا کہ محقّقین کا قول ہے کہ ہر حرف کا مخرج علیحدہ ہے مگر نہایت قرب کی وجہ سے ایک شمار کیا جاتا ہے علیٰ ہذا القیاس حروفِ مدّہ کا مخرج خلیل نے جوف کہا ہے، فرّاء و سیبویہ نے مدّہ اور غیر مدّہ کا ایک ہی مخرج کہا ہے مخرج جوف زائد نہیں کیا۔ اس میں تحقیق یہ ہے کہ الف بالکل ہوائی حرف ہے اس میں اعتمادِ صوت کا کسی جزءِ معین پر نہیں ہوتا، اسی واسطے فرّاء و سیبویہ نے مبداءِ مخارج یعنی اقصاءِ حلق اس کا مخرج کہا ہے اور حرف (و) اور (ی) جب مدّہ ہوں تو اس وقت اعتمادِ صوت کا لسان و شفتین پر نہایت ضعیف ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے، تو فرّاء و سیبویہ نے اس اعتمادِ ضعیف کی وجہ سے مدّہ اور غیر مدّہ کے مخرج میں فرق نہیں کیا، خلیل نے ضعف و قوت کا لحاظ کر کے ایک ''مخرجِ جوف'' زائد کیا ہے۔ =

= **فائدہ:** غنّہ ''صوتِ خیشومی'' کا نام ہے اور یہ سب حرفوں میں ممکن الاداء ہے مگر (ن، م) میں صفتِ لازمہ کے طور سے ہے اور جب یہ دونوں حرفِ مشدّد یا مخفی یا مُدغم بالغنہ ہوں تو اس وقت یہ صفت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے، اور ان حالتوں میں خیشوم کو ایسا دخل ہے کہ بغیر اس صفت کے (ن، م) بالکل ادا ہی نہ ہوں گے یا نہایت ناقص ادا ہوں گے، لہٰذا قرّاء نے لکھا ہے کہ (ن، م) کا مخرج ان حالتوں میں ''خیشوم'' ہے۔اب کئی اعتراض ہوتے ہیں۔

پہلا شبہ: یہ کہ سب صفاتِ لازمہ میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ بغیر اُن کے حرف ادا نہیں ہوتا تو سب کا مخرج بیان کرنا چاہیے اور مخرج بدلنا چاہیے یا دو مخرج لکھنا چاہیے۔

جواب: یہ ہے کہ چونکہ صفتِ غنّہ کا مخرج سب مخارج سے علیحدہ ہے اس واسطے بیان کرنے کی حاجت ہوئی بخلاف اور صفات کے کہ انہیں مخارج سے تعلّق رکھتے ہیں جہاں سے حروف نکلتے ہیں۔

دوسرا شبہ: یہ ہوتا ہے کہ نونِ مشدّد اور مُدغم بالغنہ اور (م) مطلقاً خواہ مشدّد ہو یا مخفی ان صورتوں میں اصلی مخارج سے نکلنے میں تبدیلِ مخرج تو نہیں معلوم ہوتا، تو اس کا۔

جواب: یہ ہے کہ مخرجِ اصلی کو بھی دخل ہے اور خیشوم کو بھی تاکہ علی وجہ الکمال ادا ہوں۔

تیسرا شبہ: یہ ہے کہ نونِ مخفی کو بعض قرّاءِ زمانہ لکھتے ہیں کہ اس میں لسان کو ذرّہ بھر دخل نہیں، اور کتبِ تجوید کی بعض عبارات سے ان کی تائید ہوتی ہے، مگر جب غور وخوض کیا جائے اور سب کے اقوالِ مختلفہ پر نظر کی جائے تو یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ نونِ مخفی میں لسان کو بھی دخل ہے مگر ضعیف۔ اسی وجہ سے کالعدم سمجھا گیا، جیسا کہ حروفِ مدّہ میں اعتمادِ ضعیف سے قطع نظر کرکے خلیل وغیرہ نے ان کا مخرج جوف بیان کیا ہے، ایسا ہی نون مخفی کا حال ہے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے ''حَرْفٌ خَفِيٌّ يَخْرُجُ مِنَ الْخَيْشُوْمِ لَاعَمَلَ لِلّسَانِ فِيْهِ'' اب ''لَاعَمَلَ لِلّسَانِ'' کو دیکھ کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ لسان کو ذرّہ بھر دخل نہیں کیونکہ نکرۂ منفی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اگر یہ صحیح مانا جائے تو حرف کا اطلاق صحیح نہیں اس واسطے کہ

اولاً: حرف کی تعریف ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھی ہے کہ ''صَوْتٌ يَعْتَمِدُ عَلىٰ مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ اَوْ مُقَدَّرٍ'' مقطعِ محقّق کو اجزاء حلق، لسان اور شفہ بیان کیا اور مقطعِ مقدر کو جوف بیان کیا لہٰذا: ''لَاعَمَلَ لِلّسَانِ'' میں عملِ خاص کی نفی ہے، جیسا کہ آگے کی عبارات سے معلوم ہوجائے گا۔ =

....

= ثانیاً: ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے بھی عملِ لسان ثابت ہے، وہ لکھتے ہیں: ''وَاِنَّ النُّوْنَ الْمُخْفَاةَ مُرَكَّبَةٌ مِنْ مَخْرَجِ الذَّاتِ وَمِنْ تَحَقُّقِ الصِّفَةِ فِي تَحْصِيْلِ الْكَمَالاَتِ''. ''تحقق الصفة'' کے معنی وجودِ غنّہ اور اس کا مخرج خیشوم ہے، فثبت ماقلنا.

ثالثاً: امام جزری رحمۃ اللہ علیہ ''النشر في القرأات العشر'' میں لکھتے ہیں: ''اَلْمَخْرَجُ السَّابِعُ عَشَرَ: اَلْخَيْشُوْمُ: وَهُوَ الْغُنَّةُ وَهِيَ تَكُوْنُ فِي النُّوْنِ وَالْمِيْمِ السَّاكِنَيْنِ حَالَةَ الْإِخْفَاءِ اَوْ مَا فِي حُكْمِهٖ مِنَ الْإِدْغَامِ بِالْغُنَّةِ فَاِنَّ مَخْرَجَ هٰذَيْنِ الْحَرْفَيْنِ يَتَحَوَّلُ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ عَنْ مَخْرَجِهَا الْاَصْلِي عَلَى الْقَوْلِ الصَّحِيْحِ كَمَا يَتَحَوَّلُ مَخْرَجُ حُرُوْفِ الْمَدِّ مِنْ مَخْرَجِهَا اِلَى الْجَوْفِ عَلَى الصَّوَابِ.'' پھر آگے ''احكام النون الساكنة والتنوين'' کی تنبیہات میں لکھتے ہیں: ''اَلْاَوَّلُ مَخْرَجُ النُّوْنِ وَالتَّنْوِيْنِ مَعَ حُرُوْفِ الْإِخْفَاءِ الْخَمْسَةَ عَشَرَ مِنَ الْخَيْشُوْمِ فَقَط، وَلَاحَظَّ لَهُمَا مَعَهُنَّ فِي الْفَمِ لِاَنَّهٗ لَاعَمَلَ لِلِّسَانِ فِيْهِمَا كَعَمَلِهٖ فِيْهِمَا مَعَ مَا يُظْهَرَانِ وَيُدْغَمَانِ بِغُنَّةٍ'' اس سے معلوم ہوا نفی قید کی ہے مطلق عمل کی نہیں، یعنی اظہار اور ادغام بالغنّہ میں جو عمل ہے یہ نونِ مخفی میں نہیں۔ اب اگر تحوّل کے معنی انتقال اور تبدّل کے مراد ہوں تو لَاعَمَلَ كَعَمَلِهٖ مَعَ مَا يُدْغَمَانِ بِغُنَّةٍ اس کے معارض ہوگا لہٰذا مراد تحوّل سے توجہ و میلان ہے اس طرح پر کہ محوّل عنہ ومحوّل الیہ دونوں کو دخل ہے مگر نونِ خفیفہ میں بہ نسبت نونِ مشدّد کے لسان کو بہت کم دخل ہے۔ بخلاف نون مشدّد و مُدغم بالغنّہ ومیم مشدّد و مخفاۃ کے کہ ان میں لسان وشفہ کو زیادہ عمل دخل ہے۔ ایک بات اور یہاں سے ظاہر ہوتی ہے کہ نونِ مخفی میں لسان کو ایسا عمل بھی نہ ہو جیسا کہ نون میم مشدّد میں ہوتا ہے، اور نہ مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد ہو جیسا کہ (و، ی، ل، ر) میں بحالتِ ادغام بالغنّہ اعتماد ہوتا ہے کیونکہ ان حرفوں میں ادغام بالغنّہ کی صورت یہ ہے کہ نون کے مابعد کے حرف سے بدل کر اول حرف کو اس کے مخرج سے مع صوتِ خیشومی کے ادا کریں، اسی وجہ سے اس نــــون کو جو (ی، و، ل، ر) میں مُدغم بالغنّہ ہوتا ہے اس کو حرف کے ساتھ کسی نے تعبیر نہیں کیا، کیونکہ یہاں ذاتِ نون بالکل منعدم ہوگئی ہے اور نہ اصلی مخرج سے کچھ تعلّق رہا ہے۔ صرف غنّہ باقی ہے جس کا محل خیشوم ہے، بخلاف نون مخفی کے کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے ''حَرْفٌ خَفِيٌّ يَخْرُجُ مِنَ الْخَيْشُوْمِ وَلَاعَمَلَ لِلِّسَانِ فِيْهِ وَلَاشَائِبَةَ حَرْفٍ اٰخَرَ فِيْهِ'' اب امام جزری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی ثابت ہوگیا کہ =

فصلِ ثالث: صفات کے بیان میں

جہر کے معنی شدّت[1] اور زور سے پڑھنے کے ہیں، اس کی ضد ہمس ہے یعنی نرمی[2] کے ساتھ پڑھنا اور اس کے دس حروف ہیں جن کا مجموعہ: فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتَ ہے، ان حروف کے ماسوا سب مجہورہ ہیں۔

=نونِ مخفی میں لسان کو بھی کچھ دخل ہے۔ "نهاية القول المفيد" میں "نشر" سے زیادہ صاف مطلب نکلتا ہے، پہلے لکھا ہے کہ خیشوم مخرج ہے نون، میم غیر مظہرہ کا پھر لکھتے ہیں: "لَايُقَالُ لَابُدَّ مِنْ عَمَلِ اللِّسَانِ فِي النُّوْنِ، وَالشَّفَتَيْنِ فِي الْمِيْمِ مُطْلَقًا حَتىٰ فِي حَالَةِ الْإِخْفَاءِ وَالْإِدْغَامِ بِغُنَّةٍ وَكَذَا لِلْخَيْشُوْمِ عَمَلٌ حَتّٰى فِي حَالَةِ الْإِظْهَارِ وَالتَّحْرِيْكِ فَلِمَ هٰذَا التَّخْصِيْصُ لِاَنَّهُمْ نَظَرُوْا لِلْاَغْلَبِ فَحَكَمُوْا لَهُ بِاَنَّهُ الْمَخْرَجُ فَلَمَّا كَانَ الْاَغْلَبُ فِي حَالَةِ اِخْفَائِهِمَا وَاِدْغَامِهِمَا بِغُنَّةٍ عَمَلِ الْخَيْشُوْمِ جَعَلُوْهُ مَخْرَجَهُمَا حِيْنَئِذٍ وَاِنْ عَمَلَ اللِّسَانُ وَالشَّفَتَانِ أَيْضاً وَلَمَّا كَانَ الْأَغْلَبُ فِي حَالَةِ التَّحَرُّكِ وَالْإِظْهَارِ عَمَلَ اللِّسَانِ وَالشَّفَتَيْنِ جَعَلُوْهُمَا الْمَخْرَجَ وَاِنْ عَمَلَ الْخَيْشُوْمُ حِيْنَئِذٍ اَيْضاً.......الخ."

رابعاً: غنّہ اور اخفاء سے غرض تحسینِ لفظ اور جوثقل ترکیبِ حرف سے پیدا ہو اس کی تخفیف مقصود ہوتی ہے اور ایسے اخفاء سے کہ جس میں لسان کو ذرّہ بھر تعلّق نہ ہو محال نہیں تو متعسّر ضرور ہے اور صوت بھی کریہہ ہو جاتی ہے، اگر کچھ بنا کر تکلّف سے ادا کیا جائے۔ حاصل یہ ہے کہ نون مخفاۃ کے ادا کرتے وقت زبان حنک سے قریب متّصل ہوگی مگر اتصال نہایت ضعیف ہوگا۔

حاشیہ صفحہ ہذا[1] اس شدّت سے مراد بلندی اور شدّتِ نفس ہے یعنی جہر کے ادا کرتے وقت مخرج میں سانس اتنی قوت سے ٹھہرتی ہے کہ آواز بلند ہو جاتی ہے، اور صفتِ شدّت میں شدّتِ صوت ہوتا ہے یعنی اس کے ادا میں آواز مخرج میں اتنی قوت سے ٹھہرتی ہے کہ فوراً بند ہو جاتی ہے جیسے: حَرَجُ کی جیم.

[2] یعنی ہمس کے ادا کرتے وقت جریانِ نفس کی وجہ سے آواز میں جو پستی ہے اس کو نرمی سے تعبیر کیا ہے کیونکہ جہر میں بلندی ہوتی ہے پس اس ضد میں پستی ہوگی، جیسے: صف کی فا چنانچہ کاف، تا میں نرمی نہیں ہے بلکہ بوجہ شدّت سختی ہے اور شدّت کی ضد رخوہ کے اداء میں نرمی ہے اور جریانِ صوت کی وجہ سے ضعف ہے اس سے ہمس اور رخوہ کا فرق بھی ظاہر ہو گیا۔

شدیدہ کے آٹھ حروف ہیں جن کا مجموعہ: **اَجِدُ قَطٍ بَکَتُ** ہے، ان کے سکون[1] کے وقت آواز رُک جاتی ہے۔

پانچ حروف **متوسّطہ** ہیں جن کا مجموعہ: **لِنْ عُمَرَ** ہے، ان میں بالکل آواز بند نہیں ہوتی۔

باقی حروف ماسوا شدیدہ اور متوسّطہ کے سب **رِخْوَہ** ہیں یعنی ان کی آواز جاری ہوسکتی ہے۔

خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ: یہ حروف متصف ہیں **اِسْتِعْلَاء** کے ساتھ یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصّہ[2] زبان کا تالو کی طرف بلند ہوجاتا ہے۔

ان کے ماسوا سب حروف **اِستفال** کے ساتھ متصف ہیں، ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصّہ زبان کا بلند نہ ہوگا۔

صَطْظَضْ: یہ حروف متصف ہیں ساتھ **اِطباق** کے یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر حصّہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے۔ ان چار حرفوں کے سوا باقی حروف **اِنفتاح**[3] سے متصف ہیں یعنی ان کے ادا کرتے وقت اکثر زبان تالو سے ملتی نہیں۔

یہ صفات جو ذکر کی گئی ہیں ''متضادّہ'' ہیں، جہر کی ضد ہمس ہے اور رِخوَہ کی ضد شدّت ہے اور استعلاء کی ضد استفال ہے اور اطباق کی ضد انفتاح ہے تو ہر حرف چار صفتوں کے ساتھ ضرور متصف ہوگا۔ باقی صفات کی ضد نہیں ہے۔

---

[1] چونکہ متحرک کی صورت میں بوجہ حرکت رکنا معلوم نہیں ہوتا، اس لیے سکون کی قید لگائی ورنہ صفاتِ لازمہ کے لیے کسی قید کی ضرورت نہیں تھی، حروف چاہے متحرک ہوں یا ساکن، جو صفات لازمہ ہیں وہ ہر حال میں پائے جائیں گے۔ سکون کی قید سے اس کا عارض سمجھنا غلطی ہے، حروفِ شدیدہ جب متحرک ہوتے ہیں تو جس قدر آواز جاری ہوتی ہے وہ حرکت کی ہوتی ہے۔

[2] اس سے مراد زبان کی جڑ ہے چنانچہ اس کے بعد کا حصّہ تالو سے جدا رہتا ہے، جیسے: خالق کی خا، بخلاف صفتِ اطباق کے کہ اس کے ادا کرتے وقت اکثر حصّہ زبان کا تالو سے مل جاتا ہے، جیسے: طال کی طا، اس وجہ سے تفخیمِ استعلاء سے تفخیمِ اطباق بڑھی ہوئی ہے۔

[3] انفتاح اور استفال کے ادا میں یہ فرق ہے کہ استفال تفخیم کو مانع ہے اور انفتاح کمالِ تفخیم کو مانع ہے پس ہر مستفلہ منفتحہ ہے لیکن ہر منفتحہ مستفلہ نہیں، جیسے: غین، خا، قاف.

قَلقَلہ کے پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ: **قُطْبُ جَدٍّ** ہے مگر (ق) میں قلقلہ واجب[۱] باقی چار حروف میں جائز[۲] ہے، قلقلہ کے معنی مخرج میں جنبش دینا سختی کے ساتھ۔ (ر) میں **صفت تکرار** کی ہے، مگر اس سے جہاں تک ممکن ہو احتراز[۳] کرنا چاہیے۔ (ش) میں **صفتِ تفشّی** ہے یعنی منہ میں صوت (آواز) پھیلتی ہے۔ اور (ض) میں **صفتِ اِستطالہ**[۴] ہے اور (ص، س) **حروفِ صفیر** کہلاتے ہیں (ن، م) میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ ناک میں آواز[۵] جاتی ہے اور

---

۱ یعنی قاف میں قلقلہ بالاتفاق معتبر ہے کیونکہ بہ نسبت حروف طب جد کے قاف میں بوجہ استعلاء وقوّت شدّت بہت زیادہ ظاہر ہے۔

۲ جائز بمعنی اختیار نہیں بلکہ بمعنی اختلاف ہے کیونکہ بہ نسبت قاف کے حروف "طب جد" میں قلقلہ کم ہے جیسا کہ صاحب الرّعایہ کی عبارت سے ظاہر ہے، فرماتے ہیں: "قَلْقَلَةُ الْقَافِ اَكْمَلُ مِنْ قَلْقَلَةِ غَيْرِهٖ لِشِدَّةِ ضَغْطِهٖ" پس اس کمی اور ضعف کی طرف کسی نے توجہ کی اور حروف "طب جد" میں قلقلہ کا اعتبار کیا، اور کسی نے اس ضعف کی طرف توجہ نہ کی اس وجہ سے قلقلہ کا اعتبار نہ کیا، لیکن حروف "طب جد" میں قلقلہ کی نفی کسی قول سے ثابت نہیں، لہٰذا جائز کی وجہ سے اس کو عارض سمجھنا یا کبھی ادا کرنا کبھی نہ ادا کرنا جائز نہیں، ہاں اگر سماعت میں اختلاف ہوگا تو اسی ضعف پر محمول کیا جائے گا۔

۳ یعنی بجائے ایک را کے کئی را نہ ہونے پائے، اس کے اداء کرتے وقت زبان کو لرزنے سے بچانا چاہیے، اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اس کی صفتِ توسّط کو صحیح طور پر ادا کیا جائے یعنی را کو ادا کرتے وقت نہ اتنی سختی ہو کہ بجائے ایک را کے کئی را ہوجائیں اور نہ اتنی نرمی ہو کہ بجائے را کے واو ہوجائے، نہایت میانہ روی سے را کو ادا کریں تاکہ صفتِ توسّط اور تکریر بھی ادا ہوجائے۔

۴ یعنی ضاد کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں دراز ہوگی اسی کا نام صفتِ استطالہ ہے، اسکی صحت کا معیار یہ ہے کہ اگر دال کی آواز معلوم ہو تو سمجھنا چاہیے کہ صفت استطالہ نہیں ادا ہوئی کیونکہ دال میں بوجہ شدّت حبس صوت ہے جو مانعِ استطالہ ہے، ہاں اگر ظا کی طرح آواز معلوم ہو تو اس وقت اس صفت کا ادا ہونا ممکن ہے جب کہ نوکِ زبان ظا کی مخرج سے بالکل جدا رہے، حرف ضاد کو ظا سے مشابہتِ تامّہ ہے، چنانچہ صاحب الرِّعایہ فرماتے ہیں: "وَلَمْ يَخْتَلِفَا فِي السَّمْعِ." لیکن یہ دلیل تشابہ کی ہے اس میں عینیت نہ ہونا چاہیے ورنہ لحنِ جلی لازم آئیگا۔

۵ جس کو صفتِ غنّہ کہتے ہیں، یہ غنّہ اظہار کی حالت میں بھی پایا جائے گا، بخلاف حرفِ غنّہ کے کہ یہ صرف اخفاء اور ادغامِ ناقص میں بقدر ایک الف ادا ہوگا، كَمَا تَقَدَّمَ فِي الْمَخْرَجِ.

کسی حرف میں یہ صفت نہیں ہے اور ان صفاتِ متضادّہ میں سے چار صفتیں یعنی (۱) جہر (۲) شدت (۳) استعلاء اور (۴) اطباق۔ قویّہ ہیں باقی ضعیف ہیں، اور صفاتِ غیر متضادّہ سب قویّہ ہیں، تو ہر حرف میں جتنی صفتیں قوّت کی ہوں گی اُتنا ہی حرف قوی ہوگا اور جتنی صفتیں ضعف کی ہوں گی اُتنا ہی ضعیف ہوگا۔

حروف کی باعتبار قوّت اور ضعف پانچ قسمیں ہیں:

(۱) قوی (۲) اقویٰ (۳) متوسّط (۴) ضعیف (۵) اضعف۔

قوی: ج، د، ص، غ، ر، ب۔ اقویٰ: ط، ض، ظ، ق۔ متوسّط: ء، ا، ز، ت، خ، ذ، ع، ك۔ ضعیف: س، ش، ل، و، ی۔ اضعف: ث، ح، ن، م، ف، ہ۔ حروف ہیں۔

فائدہ: ھمزہ میں شدّت اور جہر کی وجہ سے کسی قدر سختی ہے مگر نہ اس قدر کہ ناف ہل جائے، ناف سے حروف کو کچھ علاقہ ہی نہیں۔

فائدہ: (ف، ہ) یہ دونوں حرف اضعف الحروف ہیں نہایت ہی نرمی سے ادا ہونا چاہیے۔

فائدہ: حرف (ع، ح) کے ادا کرتے وقت گلا نہ گھونٹا جائے بلکہ وسطِ حلق سے نہایت لطافت سے بلا تکلّف نکالنا چاہیے۔

فصلِ رابع: ہر حرف کی صفات لازمہ کے بیان میں

نمبر شمار	اشکال حروف	اسماء صفات لازمہ	نمبر شمار	اشکال حروف	اسماء صفات لازمہ
۱	ا	مجہور، رخوہ، مستفِل، منفتح، مدّہ، مفخَم[۱] یا مرقّق	۲	ب	مجہور، شدید، مستفِل، منفتح، مقلَقل

[۱] اگر چہ تفخیم اور ترقیق صفتِ عارض ہے لیکن ان میں سے حرف کے لیے کوئی نہ کوئی اصل اور لازم ضرور ہے، اسی وجہ سے حرفِ تردید کے ساتھ بیان فرمایا، پس چونکہ بعض کے نزدیک تفخیم عارض ہے تو ترقیق اصل ہے اور بعض کے نزدیک ترقیق عارض ہے تو تفخیم اصل ہے اور اصل بہ منزلۂ لازم ہے اس لیے تفخیم اور ترقیق کو صفاتِ لازمہ کے نقشہ میں بیان فرمایا تاکہ دونوں قول کا علم ہو جائے۔

۳	ت	مہموس، شدید، مستفِل، منفتح	۱۷	ظ	مجہور، رخوہ، مستعلی، مطبِق، مفخَم
۴	ث	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح	۱۸	ع	مجہور، متوسّط، مستفِل، منفتح، مفخَم
۵	ج	مجہور، شدید، مستفِل، منفتح، مقلقل	۱۹	غ	مجہور، رخوہ، مستعلی، منفتح، مفخَم
۶	ح	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح	۲۰	ف	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح
۷	خ	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح، مفخَم	۲۱	ق	مجہور، شدید، مستعلی، منفتح، مقلقل، مفخَم
۸	د	مجہور، شدید، مستفِل، منفتح، مقلقل	۲۲	ك	مہموس، شدید، مستفِل، منفتح
۹	ذ	مجہور، رخوہ، مستفِل، منفتح	۲۳	ل	مجہور، متوسّط، مستفِل، منفتح، مرقّق، یا مفخَم
۱۰	ر	مجہور، متوسّط، مستفِل، منفتح، تکرار، مفخَم یا مرقّق	۲۴	م	مجہور، متوسّط، مستفِل، منفتح، غنّہ
۱۱	ز	مجہور، رخوہ، مستفِل، منفتح، صفیر	۲۵	ن	مجہور، متوسّط، مستفِل، منفتح، غنّہ
۱۲	س	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح، صفیر	۲۶	و	مجہور، رخوہ، مستفِل، منفتح، مدّہ یا لین
۱۳	ش	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح، تفشّی	۲۷	ہ	مہموس، رخوہ، مستفِل، منفتح
۱۴	ص	مہموس، رخوہ، مستعلی، مطبِق، صفیر، مفخَم	۲۸	ء	مجہور، شدید، مستفِل، منفتح
۱۵	ض	مجہور، رخوہ، مستعلی، مطبِق، مستطیل، مفخَم	۲۹	ی	مجہور، رخوہ، مستفِل، منفتح، مدّہ یا لین
۱۶	ط	مجہور، شدید، مستعلی، مطبِق، مقلقل، مفخَم			

فصلِ خامس: صفاتِ ممیّزہ[1] کے بیان میں

حروف اگر صفاتِ لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج سے ممتاز ہوتے ہیں اور اگر مخرج میں متّحد

[1] مُشْتَبِهُ الصَّوْت حرف یا ایک مخرج کے حرفوں میں جن صفات لازمہ سے امتیاز ہوتا ہے ان کو ممیّزہ، بقیہ صفاتِ لازمہ کو غیر ممیّزہ کہتے ہیں۔

ہوں تو صفتِ لازمہ منفردہ[ا] سے ممتاز ہوتے ہیں، جن حرفوں میں تمایز بالمخرج ہے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ حروفِ متّحدہ فی المخرج کے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ ا، ء، ہ میں الف ممتاز ہے مدّیت میں اور ھمزہ ممتاز ہے (ہ) سے جہر اور شدّت میں باقی صفات میں یہ دونوں متّحد ہیں۔ ع، ح (ح) میں ہمس اورر خاوت ہے (ع) میں جہر و توسّط، باقی میں اتحاد۔ غ، خ (خ) میں جہر ہے، باقی میں اتحاد۔ ج، ش، ی (ج) میں شدت ہے، (ش) میں ہمس وتفشّی ہے، باقی استفال وانفتاح میں تینوں مشترک ہیں اور جہر میں (ج، ی) اور رخاوت میں (ش، ی) مشترک ہیں۔ ط، د، ت شدّت میں اشتراک اور (ط، د) جہر میں بھی مشترک ہیں اور (ت، د) استفال وانفتاح میں مشترک ہیں اور (ط) میں اطباق واستعلاء ہے اور (ت) میں ہمس ہے۔ ظ، ذ، ث کا رخاوت میں اشتراک ہے اور (ظ، ذ) جہر میں اور (ذ، ث) استفال، انفتاح میں مشترک ہیں اور (ظ) میں ممیّزہ صفت استعلاء واطباق ہے اور (ذ، ث) میں صفتِ ممیّزہ جہر، ہمس ہے۔ ص، ز، س رخاوت صفیر میں مشترک اور (ص، س) ہمس میں اور (ز، س) استفال وانفتاح میں مشترک ہیں اور (ص) میں صفتِ ممیّزہ استعلاء واطباق اور (ز، س) میں جہر وہمس ہے۔

[ا] اس سے مراد صفات لازمہ غیر متضادّہ ہیں، مثلاً: بربنائے مذہبِ فرّاء لام، را مخرج میں متّحد ہیں اور صفاتِ لازمہ متضادہ میں مشترک ہیں، اس صورت میں لام سے را کو صفت لازمہ منفردہ یعنی غیر متضادہ تکریر سے امتیاز ہوا۔ اس طرح لام، نون صفاتِ لازمہ متضادہ اور مخرج میں متّحد ہیں اس وقت لام سے نون کو صفت لازمہ غیر متضادّہ غنّہ سے امتیاز ہوا، اور عین، حا اگرچہ مخرج میں متّحد ہیں لیکن صفاتِ لازمہ متضادّہ میں سے جہر اور توسّط کی وجہ سے عین کو حا سے امتیاز ہے، اس وجہ سے اس پر صفت لازمہ منفردہ کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ دو صفتوں کی وجہ سے امتیاز ہوا۔

ل، ن، ر جہر، توسّط، استفال اورانفتاح میں مشترک ہیں اور (ل، ر) انحراف[۱] میں مشترک ہیں اوران میں تمایز مخرج سے ہے اسی واسطے سیبویہ اور خلیل نے ان کا مخرج الگ ترتیب وار رکھا ہے اور فرّاء نے قرب کا لحاظ کر کے ایک مخرج بیان کیا ہے، دوسرے یہ کہ (ن) میں غنّہ ہے اور (ر) میں تکرار۔ و، ب، م جہر، استفال اورانفتاح میں مشترک اور (و) کے ادا کرتے وقت شفتین میں کسی قدر انفتاح رہتا ہے، اس وجہ سے اپنے مجانسوں سے ممتاز ہوجاتا ہے گویا اس میں بھی تمایز بالمخرج ہے اور (ب) میں شدت اور قلقلہ اور (م) میں توسّط اور غنّہ ممیّزہ ہے اور ض، ظ میں جہر، رخاوت، استعلاء اوراطباق ہے اور (ض) میں استطالہ ہے اور ممیّز مخرج ہے مگر اشتراکِ صفاتِ ذاتیہ کی وجہ سے فرق کرنا اورایک دوسرے سے ممتاز کرنا ماہرین کا کام ہے اور ماہر کے فرق کو بھی ماہر ہی خوب سمجھتا ہے۔[۲]

---

۱ یعنی منحرف ہونا پھرنا صفات لازمہ میں سے یہ بھی ایک صفت ہے جو لام، را دونوں میں پائی جاتی ہے اس طرح کہ لام کے ادا کرتے وقت آواز را کے مخرج کی طرف پھرتی ہے اور را کے ادا کرتے وقت آواز لام کے مخرج کی طرف پھرتی ہے کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ ہر حرف کا مخرج جداگانہ ہے، لیکن فرّاء نے بوجہ شدّتِ قرب دونوں کا ایک ہی مخرج بیان کیا ہے۔

۲ فائدہ: حرفِ ضادضعیف کو ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، شافیہ میں حروفِ مستہجنہ سے لکھا ہے اور امام رضی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: "قَالَ السَّيْرَافِي اِنَّهَا فِي لُغَةِ قَوْمٍ لَيْسَ فِي لُغَتِهِمْ ضَادٌ فَاِذَا اِحْتَاجُوْا اِلَى التَّكَلُّمِ بِهَافِي الْعَرَبِيَّةِ اِعْتَاصَتْ عَلَيْهِمْ فَرُبَمَا اَخْرَجُوْهَا ظَاءً لِاِخْرَاجِهِمْ اِيَّاهَا مِنْ طَرْفِ اللِّسَانِ وَاَطْرَافِ الثَّنَايَا وَرُبَمَا تَكَلَّفُوْا اِخْرَاجَهَا مِنْ مَخْرَجِ الضَّادِ فَلَمْ يَتَأَتَّ لَهُمْ فَخَرَجَتْ بَيْنَ الضَّادِ وَالظَّاءِ" شافیہ اور اسکی شرح سے بعض متاخرین نیز روافض وغیر مقلّدین کی تردید ہوگئی جو کہ قائل ہیں کہ ظا و ضاد میں اشتراک صفاتِ ذاتیہ کی وجہ سے حرفِ ضاد مثل: ظا کے مسموع ہوتا ہے بلکہ ان میں فرق کرنا نہایت دشوار ہے، لہٰذا اگر ضاد کی جگہ ظا پڑھی جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ اشتراک کو تشابہ لازم نہیں اس واسطے کہ جیم اور دال بھی جمیع صفات میں مشترک ہیں مگر تخالفِ مخرج کی وجہ سے دونوں کی صوت میں بالکل تباین ہے اصلاً تشابہ نہیں اور ضاد، ظا میں تخالفِ مخرج موجود ہے مگر چونکہ مخرجِ ضاد کا اکثر ═

....

= حافۂ لسان مع اضراس اور مخرجِ ظا کا طرفِ لسان مع طرفِ ثنایا علیا ہے اور پھر ان دونوں حرفوں میں استعلاء، اطباق ہے اس وجہ سے ان میں تقارب ہوگیا پھر صفتِ رخاوت کی وجہ سے ان میں تشابہ صوتی پیدا ہوگیا، یہ وجہ ہے تشابہ کی، بخلاف جیم اور دال کے کہ ان میں یہ وجوہ نہیں، اب تشابہ ضاد، ظا میں ثابت ہوگیا مگر ایسا تشابہ کہ حرفِ ضاد قریب حرفِ ظا کے مسموع ہو اس طرح کا تشابہ ممنوع ہے اسی کو ابن حاجب اور رضی رحمہما اللہ نے مستہجن لکھا ہے کیونکہ باعثِ تشابہ صفتِ رخوت ہے اور یہ صفت ضاد میں بہ نسبت ظا کے ضعیف ہوگئی ہے اس واسطے کہ ضاد میں صفت اطباق کی بہ نسبت ظا کے قوی ہے اور لامحالہ جتنی صفتِ اطباق قوی ہوگی اتنی ہی صفتِ رخاوت میں ضعف پیدا ہوگا کیونکہ اطباقِ محکم منافیِ رخاوت ہے دوسری وجہ ضعفِ رخاوت یہ ہے کہ ضاد کا مخرج مجریٰ صَوت و ہوا سے ایک کنارے واقع ہوا ہے، بخلاف مخرجِ ظا کے کہ وہ محاذات میں واقع ہے اسی وجہ سے ظا میں رخاوت قوی ہے اور جب رخاوت قوی ہوئی تو لامحالہ اطباق ضعیف ہوگا، ماحصل یہ کہ جب ضاد کو اپنے مخرج سے مع جمیع صفات ادا کیا جائے گا تو اس وقت اس کی صوت اہلِ عرب کی ضاد کی صَوت سے جو آج کل مروّج ہے مشابہ ہوگی اور ظا کے ساتھ بھی تشابہ ہوگا مگر کم درجہ میں، اس واسطے کہ ضاد میں اطباق و تفخیم بہ نسبت ظا کے زیادہ ہے کیونکہ رخاوت ظا کی بہ نسبت ضاد کے قوی ہے اور رخاوت و اطباق میں تقابل ہے، ایک قوی ہوگی دوسری ضعیف ہوگی۔ اب اگر ضاد میں صفتِ رخاوت زیادہ ہوجائے گی تو شبہ بظاہر ہوجائے گا۔ اور اسی کو صاحب شافیہ اور رضی رحمہما اللہ نے مستہجن لکھا ہے اور اگر اطباق قوی ادا کیا جائے گا مع رخاوت کے تو "اَشْبَہَ بِضَادٍ مُرَوَّجٍ بَیْنَ الْعَرَبِ" ادا ہوگا اور کسی قدر ظا کے ساتھ بھی مشابہ ہوگا۔ بعض کتبِ تفسیر و تجوید میں جو ضاد، ظا کو متشابہ الصوت لکھا ہے اس سے یہی مراد ہے نہ یہ کہ ظا مسموع ہو، اب تعارض بھی نہیں رہا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ بعض قرّاءِ عجم اہلِ عرب کو کہتے ہیں کہ ضاد کی جگہ دالِ مفخّم پڑھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ دالِ مفخّم کوئی حرف ہی نہیں، اس واسطے کہ دال کی صفت ذاتی استفال، انفتاح اور مخرج طرفِ لسان اور ثنایا علیا کے جڑ ہے اور اہلِ عرب ضاد کو اپنے مخرج مع استعلاء و اطباق کے عموماً ادا کرتے ہیں اور ایک حرف دوسرے مخرجِ مباین سے ادا ہی نہیں ہوتا، اور جب صفاتِ ذاتیہ بھی بدل گئیں تو اسے دال نہیں کہہ سکتے اصل میں وہ ضاد ہے مگر صفتِ رخاوت جو قلّت اور ضعف کے ساتھ اس میں پائی جاتی تھی وہ اکثر عرب سے شاید ادا نہ ہوتی ہو، غایۃ ما فی الباب یہ لحن خفی ہوگا اور ظا خالص پڑھنا اور دال خالص یا دال کو اپنے مخرج سے پُر کرکے پڑھنا یہ لحنِ جلی ہے، کیونکہ پہلی صورت میں صرف ایک صفت جو کہ نہایت کمزور درجہ میں تھی اس کا ابدال یا انعدام ہوا ہے، باقی صورتوں میں ابدال حرف بہ حرفِ آخر لازم آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

باب دوم

فصلِ اوّل: تفخیم اور ترقیق کے بیان میں

حروفِ مستعلِیہ ہمیشہ[1] ہر حال[2] میں پُر پڑھے جائیں گے اور حروفِ مستفِلہ سب باریک پڑھے جاتے ہیں، مگر **الف** اور **اللّٰہ** کا **لام** اور **را** کہیں باریک اور کہیں پُر ہوتے ہیں، **الف** سے پہلے پُر حرف ہوگا تو **الف** بھی پُر ہوگا اور اس سے پہلے کا حرف باریک ہوگا تو **الف** بھی باریک ہوگا اور **اللّٰہ** کے **لام** سے پہلے زبر ہو یا پیش ہو تو پُر[3] ہوگا، مثل: وَاللّٰہُ، اَللّٰہُ، رَفَعَہُ اللّٰہُ اگر اس سے پہلے زیر ہو تو باریک ہوگا، مثل: لِلّٰہِ **را** متحرک ہوگی یا ساکن، اگر متحرک ہے تو فتحہ اور ضمّہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک، مثل: رَعْدٌ، رُزِقُوْا، رِزْقًا اور اگر راءِ ساکن ہے تو اس کا ماقبل متحرک ہوگا یا ساکن، اگر ماقبل متحرک ہے تو فتحہ اور ضمّہ کی حالت میں پُر ہوگی اور کسرہ کی حالت میں باریک ہوگی، مثل: یُرْزَقُوْنَ، بَرْقٌ، شِرْعَۃٌ مگر جب راءِ ساکن کے ماقبل کسرہ دوسرے کلمہ میں ہو، مثل: رَبِّ ارْجِعُوْنِ یا کسرہ عارضی ہو، مثل: اَمِ ارْتَابُوْا، اِنِ ارْتَبْتُمْ یا راءِ ساکن کے بعد حرفِ استعلاء کا اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں (ر) ہے تو یہ (ر) باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہوگی۔

---

[1] یعنی حرفِ مستعلیہ کسی حرفِ مرقّق کے اثر سے بھی باریک نہیں ہوتا جیسے: وَسِیْقَ بخلاف حرفِ مستفِلہ، مثل: را وغیرہ کے جیسے: فِرْقَۃٌ کہ باوجود مستفِلہ اور ماقبل کسرہ لازمہ کے محض حرف مفخّم کے اثر سے **را** پُر ہوگی۔

[2] یعنی حرفِ مستعلیہ کسی حرکت کے اثر سے بھی باریک نہیں ہوتا، مثل: ظِلٌّ وغیرہ کے، بخلاف حرفِ مستفِلہ مثل: **لام** وغیرہ کے، جیسے: اللّٰھُمَّ اور رَبِّ، رُبَمَا کہ زبر اور پیش کے اثر سے پُر ہوگیا۔

[3] یعنی لفظ **اللّٰہ** کے دونوں **لام** پُر ہوں گے اور ماقبل زیر ہو تو دونوں **لام** باریک ہوں گے۔

مثل: قِرْطَاسٌ، فِرْقَةٌ اور فِرْقٍ میں خلف[۱] ہے، اور اگر راءِ موقوفہ بالاسکان یا بالاشمام[۲] کے ماقبل سوائے (ی) کے اور کوئی حرف ساکن ہو تو اس کا ماقبل دیکھا جائے گا، اگر مفتوح یا مضموم ہے تو (ر) پُر ہوگی، مثل: قَدْرٌ، اُمُوْرٌ اور اگر مکسور ہے تو (ر) باریک ہوگی، مثل: حِجْرٌ کے۔ اگر ساکن (ی) ہو تو باریک ہوگی، جیسے: خَيْرٌ، ضَيْرٌ، خَبِيْرٌ، قَدِيْرٌ، راءِ مرامہ یعنی موقوفہ بالروم[۳] اپنی حرکت کے موافق پڑھی جائے گی اور راءِ ممالہ[۴] باریک ہی پڑھی جائے گی، مثل: مَجْرٖىهَا.

---

۱ یعنی کُلُّ فِرْقٍ میں پُر اور باریک دونوں جائز ہیں خلف کا اطباق دو متضاد وجہوں پر ہوتا ہے، پس اگر یہ دو وجہیں تمام قرّاء سے ثابت ہوں تو خلف جائز ہے ورنہ خلف واجب، لیکن خلفِ جائز میں دونوں وجہیں بسبیل تخییر ہوتی ہیں۔ یہ بات خلفِ واجب میں نہیں ہے، یہاں لفظ فِرْقٌ میں خلف جائز ہے اس میں خلف جائز ہونے کی وجہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں ع

وَالْخُلْفُ فِي فِرْقٍ لِكَسْرٍ يُوْجَدَ

یعنی کسرہ کی وجہ سے فِرْقٍ میں خلف پایا گیا ورنہ اگر راءِ ساکن بین الکسرتین واقع نہ ہوتی تو پُر ہونے کے بارے میں اختلاف نہ ہوتا۔ جیسے فِرْقَةٌ، لیکن کُلُّ فِرْقٍ کے قاف کا کسرہ بوجہِ وقف زائل ہو جائے جب بھی دونوں وجہیں جائز ہیں، چاہے پُر پڑھی جائے یا باریک، اس لیے کہ کسرہ لازمی ہے اور وقف عارضی ہے۔

۲ یعنی موقوف علیہ مضموم کو ساکن کر کے ہونٹوں سے ضمّہ کی طرف اشارہ کرنا۔

۳ یعنی موقوف علیہ مضموم اور مکسور کی حرکت کو ضعیف اور خفیف کرنا مگر اس صورت میں حرکت کو قریب سننے والا صاف محسوس کر سکے یعنی حرکت مہمل نہ ہونے پائے جس سے ضمّہ کسرہ کے مشابہ یا کسرہ ضمّہ کے مشابہ ہو جائے، یہ سخت غلطی ہے۔ اکثر خیال نہ کرنے سے یہ غلطی ہو جاتی ہے۔

۴ یعنی جس را میں امالہ کیا جائے، امالہ کے وقت زبر زیر کی طرف اور الف یا کی طرف مائل ہوگا، اسی زیر اور یا کے اثر سے راءِ ممالہ باریک ہوگی۔

فائدہ: راءِ مشدّد حکم میں ایک را کے ہوتی ہے جیسی حرکت ہوگی اس کے موافق پڑھی جائے گی پہلی دوسری کے تابع ہوگی۔[1]

فائدہ: حروفِ مفخّمہ میں تفخیم ایسی افراط سے نہ کی جائے کہ وہ حرفِ مشدّد سنائی دے یا کسرہ مشابہ فتحہ کے یا فتحہ مشابہ ضمّہ کے یا مفخّم حرف کے بعد الف ہے تو وہ (و) کی طرح ہوجائے، تفخیم میں مراتب ہیں۔حرفِ مفخّم مفتوح جس کے بعد الف ہو تو اس کی تفخیم اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے، مثل: طَالَ اس کے بعد مفتوح جو الف کے قبل نہ ہو، مثل: اِنْطَلِقُوْٓا اس کے بعد مضموم، مثل: مُحِيْط اس کے بعد مکسور، مثل: ظِلٍّ، قِرْطَاسٍ اور ساکن مفخّم ماقبل کی حرکت کے تابع ہے، مثل: يَقْطَعُوْنَ، يُرْزَقُوْنَ، مِرْصَادًا اب معلوم ہوا کہ حرفِ مفخّم کے فتحہ کو مانند ضمّہ کے اور اس کے مابعد کے الف کو مانند (و) کے پڑھنا بالکل خلافِ اصل ہے۔ ایسا ہی حرفِ مرقّق کے فتحہ کو اس قدر مرقّق کرنا کہ مانند "امالۂ صغریٰ"[2] کے ہوجائے یہ خلافِ قاعدہ ہے، یہ افراط وتفریط کلامِ عرب میں نہیں ہے، یہ اہلِ عجم کا طریقہ ہے۔

فصلِ ثانی: نونِ ساکن اور تنوین کے بیان میں

نونِ ساکن اور تنوین کے چار حال ہیں۔ (۱) اظہار (۲) ادغام (۳) قلب (۴) اخفاء۔ حرفِ حلقی نونِ ساکن اور تنوین کے بعد آئے تو اظہار[3] ہوگا، مثل: يَنْعِقُ، عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور

---

[1] یہ حکم وصل کا ہے اور بحالتِ وقف دوسری پہلی کے تابع ہے جب کہ روم نہ کیا جائے، جیسے: مُسْتَقَرٌّ اس لیے کہ روم بوجہ اظہارِ حرکت حکمِ وصل کا رکھتا ہے۔

[2] لفظ مَجْرٖبهَا میں جو امالہ ہوتا ہے اس کو "امالۂ کبریٰ" کہتے ہیں اور امالہ کی ضد کو "فتح" کہتے ہیں پس فتح کو امالہ کی طرف مائل کرنے کو "امالۂ صغریٰ" کہتے ہیں لیکن روایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ میں "امالۂ صغریٰ" نہیں ہے۔

[3] اظہار کے معنی ہیں حرف کو مخرج اور جملہ صفاتِ لازمہ سے ادا کرنا۔

جب نون اور تنوین کے بعد یَرْمَلُوْنَ کے حروف میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام[۱] ہوگا مگر (ل، ر) میں ادغام بلاغنّہ ہوگا اور ادغام بالغنّہ[۲] بھی نونِ ساکن اور تنوین میں ثابت ہے، مگر نونِ ساکن میں یہ شرط ہے کہ مقطوع[۳] یعنی مرسوم ہو اور اگر موصول ہے یعنی مرسوم[۴] نہیں ہے تو غنّہ جائز نہیں باقی حروف میں بالغنّہ ہوگا، مثل: مَنْ یَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ، هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ، مِنْ رَّبِّهِمْ چار لفظ یعنی: دُنْيَا، قِنْوَانٌ، بُنْيَانٌ، صِنْوَانٌ ان میں ادغام نہ ہوگا اظہار ہوگا۔ اور جب نونِ ساکن اور تنوین کے بعد (ب) آئے تو نونِ ساکن اور تنوین کو میم سے بدل[۵] کر اخفاء مع الغنّہ کریں گے، مثل: مِنْ بَعْدِ، صُمٌّ بُكْمٌ باقی پندرہ حرفوں میں اخفاء مع الغنّہ[۶] ہوگا، مثل: تُنْفِقُوْنَ، اَنْدَادًا وغیرہ کے۔

فصلِ ثالث: میمِ ساکن کے بیان میں

میمِ ساکن کے تین حال ہیں: (۱) ادغام (۲) اخفاء (۳) اظہار۔

---

۱ ادغام کے معنی پہلے حرفِ ساکن کو دوسرے حرفِ متحرک میں ملا کر مشدّد پڑھنا۔

۲ مثل: مِنْ لَّدُنَّا وغیرہ کے اس کتاب میں روایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل بطریق طیّبہ بیان کیے گئے ہیں جو طریقِ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شامل ہے، اس وجہ سے پہلے طریقِ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل بیان کیے گئے اس کے بعد لفظ ''بھی'' سے دوسرے طریقِ جزری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ فرمایا: وَقِسْ عَلٰى هٰذَا مَا بَعْدَهَا.

۳ یعنی لام سے پہلے نون لکھا ہو، جیسے: سورۂ ہود میں ثانی: اَنْ لَّاتَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ.

۴ جیسے: سورۂ ہود میں پہلا: اَنْ لَّاتَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ.

۵ اس قاعدہ کو ''قلب'' یا ''اقلاب'' کہتے ہیں۔

۶ یعنی نہ ایسا اظہارِ ذات ہو کہ نون سنائی دے اور نہ ایسا ادغام ہو کہ تشدید سنائی دے بلکہ دونوں کی درمیانی حالت سے اس طرح ادا کیا جائے کہ سترِ ذات کامل ہو البتہ میم مخفاۃ اپنے مخرج سے ضعیف ادا ہوگی اسی وجہ سے اس کے اخفاء میں سترِ ذات کامل نہیں ہوتا۔

میمِ ساکن کے بعد دوسری **میم** آئے تو ادغام ہوگا، مثل: اَمْ مَّنْ اور اگر میمِ ساکن کے بعد (ب) آئے تو اخفاء ہوگا اور اظہار بھی جائز ہے بشرطیکہ میمِ منقلب[۱] نونِ ساکن اور تنوین سے نہ ہو، مثل: وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ باقی حروف میں اظہار ہوگا، مثل: عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ، كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ کے۔

فائدہ: بوف[۲] کا قاعدہ جو مشہور ہے یعنی میمِ ساکن کے بعد (ب) آئے تو اخفاء ہوگا اور (و، ف) آئے تو اظہار اس طرح کیا جائے کہ **میم** کے سکون میں حرکت کی بو آجائے، یہ اظہار بالکل بے اصل ہے بلکہ **میم** کا سکون بالکل تام ہونا چاہیے، حرکت کی ہوا[۳] بھی نہ لگے۔

فصلِ رابع: حرفِ غنّہ کے بیان میں

نون میم مشدّد ہو تو غنّہ ہوگا، ایسے ہی نونِ ساکن اور تنوین کے آگے سوائے حروفِ حلقی اور (ل، ر) کے جو حرف آئے گا غنّہ ہوگا، ایسے ہی میمِ ساکن کے بعد (ب) آئے تو اخفاء کی حالت میں غنّہ ہوگا، غنّہ کی مقدار ایک الف ہے۔

---

۱ یعنی میم نون سے بدل کر آئی ہو۔

۲ چونکہ میمِ ساکن کا اخفاء نزدیک بـا، واو، فـا، کے زیادہ مشہور ہے اس لیے لفظ مرکب کرکے بوف کے ساتھ اطلاق ہوتا ہے اگرچہ نزدیک واو اور فا کے اخفاء جائز نہیں، جیسا کہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ع

وَاحْذَرْ لَدَا وَاوٍ وَفَا اَنْ تَخْتَفِيَ

یعنی واو اور فا کے نزدیک میمِ ساکن آئے تو اخفاء کرنے سے بچو۔

۳ مثل: هُمْ فِيْهَا کے میمِ ساکن پر حرکت آجانے سے لحنِ جلی لازم آئے گا اور اگر خفیف اور ضعیف حرکت ظاہر ہوئی جس کو ہوا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے تو لحنِ خفی لازم آئے گا۔

فصلِ خامس: ہائے ضمیر کے بیان میں

ہائے ضمیر کے ماقبل کسرہ یا یائے ساکنہ ہوتو ہائے ضمیر کی مکسور ہوگی، مثل: بِهٖ، اِلَيْهِ کے مگر دو جگہ مضموم ہوگی وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ سورۂ کہف میں، دوسرے عَلَيْهُ اللّٰهَ سورۂ فتح میں، اور دو لفظ میں ساکن ہوگی ایک تو اَرْجِهْ اور دوسرا فَاَلْقِهْ، اور جب ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یائے ساکنہ تو مضموم ہوگی، مثل: لَهٗ، رَسُوْلُهٗ، مِنْهُ، اَخَاهُ، رَاَيْتُمُوْهُ. مگر وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ میں مکسور ہوگی اور جب ہائے ضمیر کے ماقبل اور مابعد متحرّک ہوتو ضمیر کی حرکت اشباع[1] کے ساتھ پڑھی جائے گی یعنی اگر ضمیر پر ضمّہ ہوتو اس کے مابعد واوِ ساکن زائد ہوگا، اگر ضمیر پر کسرہ ہے تو اسکے مابعد یائے ساکنہ زائد ہوگی، مثل: مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ، مگر ایک جگہ اشباع نہ ہوگا، مثل: وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ اس کا ضمّہ غیر موصولہ[2] پڑھا جائے گا، اور اگر ماقبل یا مابعد ساکن ہوتو اشباع نہ ہوگا، مثل: مِنْهُ، وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ، مگر فِيْهٖ مُهَانًا جو سورۂ فرقان میں ہے اس میں اشباع ہوگا۔

فصلِ سادس: ادغام کے بیان میں

اِدغام تین[3] قسم پر ہے: (۱) مثلین (۲) متقاربین (۳) متجانسین۔

اگر حرفِ مکرّر میں ادغام ہوا ہے تو ادغامِ مثلین کہلائے گا، مثل: اِذْ ذَّهَبَ، اور اگر ادغام

---

[1] یعنی پیش کو بقدر واوَ مدّہ اور زیر کو بقدر یائے مدّہ بڑھا کر پڑھنا پس اگر ہائے ضمیر میں اشباع کے بعد ھمزہ پڑھا جائے تو مدِّ منفصل کے قاعدے سے اس میں مدّ بھی ہوگا اگر چہ حرفِ مدّہ لکھا ہوا نہیں ہے۔

[2] یعنی يَرْضَهُ لَكُمْ میں صلہ اور اِشباع نہ ہوگا۔

[3] یہ تین قسمیں محل اور مخرج کے اعتبار سے ہیں۔

ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے جن کا مخرج ایک گِنا جاتا ہے تو اس ادغام کو ادغامِ متجانسین کہتے ہیں، مثل: وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ اور اگر ادغام ایسے دو حرفوں میں ہوا ہے کہ وہ دو حرف نہ مثلین ہیں نہ متجانسین تو ادغامِ متقاربین کہلائے گا، مثل: اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ.

پھر ادغامِ متجانسین اور متقاربین دو قسم[1] پر ہے: (۱) ناقص اور (۲) تام۔ اگر پہلے حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر ادغام کیا ہے تو ادغامِ تام کہلائے گا، مثل: قُلْ رَّبِّ اور قَالَتْ طَّائِفَةٌ، عَمَّ اور اگر پہلے حرف کی کوئی صفت باقی ہے تو ادغامِ ناقص ہوگا، مثل: مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ اور بَسَطْتَّ، اَحَطْتُّ کے۔ مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف جب ساکن ہو تو ادغام واجب ہے، مثل: اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ، وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ، عَبَدْتُّمْ، اِذْ ظَّلَمُوْا، اِذْ ذَّهَبَ، قَدْ تَّبَيَّنَ، قَدْ دَّخَلُوْا، قُلْ رَّبِّيْ، بَلْ رَّفَعَهُ اور يَلْهَثْ ذٰلِكَ، يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا میں اظہار بھی ثابت ہے۔ اور جب دو واو یا دو یا جمع ہوں اور پہلا حرف مدّہ ہو، مثل: قَالُوْا وَهُمْ فِىْ يَوْمٍ تو ادغام نہ ہوگا، ایسے ہی حرفِ حلقی کسی حرفِ غیرِ حلقی میں، مثل: لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور اپنے مجانس میں مثل: فَاصْفَحْ عَنْهُمْ مُدغم[2] نہ ہوگا اور اپنے مماثل میں مُدغم ہوگا، مثل: يُوَجِّهْهُّ، مَالِيَهْO هَلَكَ ایسے ہی لام کا ادغام نون میں نہ ہوگا، مثل: قُلْنَا.

فائدہ: لامِ تعریف اگر ان چودہ حروف کے قبل آئے تو اظہار ہوگا اور چودہ حروف یہ ہیں:

ابغ حجّك وخف عقيمه اور ان کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں، جیسے: اَلْاٰنَ، اَلْبُخْل، اَلْغُرُوْرُ، اَلْحَسَنَةِ، بِالْجُنُوْدِ، اَلْكَوْثَرَ، اَلْوَاقِعَة، اَلْخَائِبِيْن، اَلْفَائِزُوْن، اَلْعَلِيّ، اَلْقَانِتِيْنَ، اَلْيَوْمَ، اَلْمُحْسَنَاتُ باقی چودہ حرفوں میں ادغام کیا جائے گا، جن کو حروفِ شمسیہ کہتے ہیں، جیسے: وَالصّٰٓفّٰتِ، وَالذّٰرِيٰتِ، اَلثَّاقِبُ، اَلدَّاعِي، اَلتَّآئِبُوْنَ، اَلزَّانِىْ، اَلسَّالِكِيْنَ، اَلرَّحْمٰنُ،

[1] یہ دو قسمیں کیفیتِ ادغام کے اعتبار سے ہیں۔

[2] ادغام کی علت رفعِ ثقل ہے لیکن جب کہیں ادغام سے ثقل ہوتا ہے تو پھر ادغام نہیں ہوتا۔

اَلشَّمْسُ، وَلَاالضَّآلِّيْنَ، اَلطَّارِقُ، اَلظّٰلِمِيْنَ، اَللّٰهُ، اَلنَّجْمُ.

فائدہ: نون ساکن اور تنوین کا ادغام (ی) اور (و) میں اور (ط) کا ادغام (ت) میں ناقص ہوگا اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغامِ ناقص بھی جائز ہے مگر ادغامِ تام اولیٰ ہے اور نٓ O وَالْقَلَمِ اور يٰسٓ O وَالْقُرْاٰنِ میں اظہار ہوگا اور ادغام بھی ثابت ہے۔

فائدہ: عِوَجًاO قَيِّمًا سورۂ کہف میں، مَنْ ۜ رَّاقٍ سورۂ قیامہ میں اور بَلْ ۜ رَّانَ سورۂ مطففین میں اظہار ہوگا سکتہ[1] کی وجہ سے۔ ایک جگہ حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اور بھی سکتہ ہے یعنی مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا سورۂ یٰسین میں، اور چونکہ سکتہ ایک لحاظ سے حکمِ وقف[2] کا رکھتا ہے اس وجہ سے عِوَجًا کی تنوین کو الف سے بدل دیا جائے اور حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ترکِ سکتہ[3] بھی ان مواضع میں ثابت ہے تو اس وقت موضعِ اوّل میں اخفاء ہوگا اور ثانیین میں ادغام ہوگا۔

فائدہ: مشدّد حرفوں میں دیر دو حرفوں کی ہوتی ہے۔

فائدہ: جب دو حرف مثلین غیر مُدغم ہوں تو ہر ایک کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے، مثل: اَعْيُنِنَا، شِرْكِكُمْ، يُحْيِ، دَاوٗدُ. ایسا ہی متقاربین متّصل ہوں یا قریب قریب ہوں اور ادغام نہ کیا جائے تو بھی خوب ہر ایک کو صاف پڑھنا چاہیے، مثل: قَدْ جَآءَ، قَدْ ضَلُّوْا، اِذْتَقُوْلُ، اِذْزَيَّنَ. ایسا ہی جب دو حرف ضعیف جمع ہوں، مثل: جِبَاهُهُمْ یا قوی حرف کے قریب ضعیف حرف ہو، مثل: اِهْدِنَا یا دو حرف مفخّم متّصل یا قریب ہوں، مثل: مُضْطَرٍّ،

---

[1] سکتہ کے معنی ہیں بلا سانس توڑے ہوئے آواز بند کر کے تھوڑا ٹھہرنا۔

[2] یعنی متحرک کو ساکن کرنا اور دو زبر کی تنوین کو الف سے بدلنا۔

[3] یعنی علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے طریق سے بروایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ ان مواضعات میں ترکِ سکتہ بھی ہے اور پہلا طریق جو طریقِ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہے اس سے انہیں مواضعاتِ اربعہ میں سکتہ واجب ہے ان کے علاوہ روایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ سے سکتہ معنوی کہیں نہیں ثابت۔

صَلْصَالٍ یا دو حرفِ مشدّد قریب یا متّصل ہوں، مثل: ذُرِّيَّتَهٗ، مُطَّهَّرِيْنَ، مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى، لُجِّيٍّ يَّغْشٰهُ، وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ایسا ہی دو حرف متشابہ الصوت جمع ہوں، مثل: ص، س یا ط، ت یا ض، ظ، ذ یا ق، ك تو ہر ایک کو ممتاز کر کے پڑھنا چاہیے اور جو صفت جس کی ہے اس کو پورے طور سے ادا کرنا چاہیے۔

فصلِ سابع: ہمزہ کے بیان میں

جب دو ہمزۂ متحرک جمع ہوں اور دونوں ''قطعی''[1] ہوں تو تحقیق سے یعنی خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے مگر ءَ اَعْجَمِيٌّ جو سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ہے، اس کے دوسرے ھمزہ میں تسہیل[2] ہوگی۔ اور اگر پہلا ہمزۂ استفہام کا ہے اور دوسرا ہمزۂ وصلی مفتوح ہے تو جائز ہے دوسرے ھمزہ میں تسہیل اور ابدال مگر اِبدال اولیٰ ہے اور یہ چھ جگہ ہے: آٰلْـٰٔنَ سورۂ یونس میں دو جگہ، ءٰٓالذَّكَرَيْنِ سورۂ انعام میں دو جگہ، آٰللّٰهُ دو جگہ ہے ایک سورۂ یونس میں دوسرا سورۂ نمل میں ہے۔ اور جب پہلا ہمزۂ استفہام کا ہو اور دوسرا ہمزۂ وصلی مفتوح نہ ہو تو یہ دوسرا ھمزہ حذف کیا جائے گا، مثل: اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ، اَصْطَفَى الْبَنَاتِ، اَسْتَكْبَرْتَ اور فتحہ کی حالت میں جو حذف نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں التباس[3] اِنشاء کا خبر کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور چونکہ ہمزۂ وصلی وسطِ کلام میں حذف ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں تغیّر کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے اِبدال اولیٰ ہے کیونکہ اس میں تغیّر تام ہے بخلاف تسہیل کے۔ اور

---

[1] جس کو ہمزۂ اصلی بھی کہتے ہیں یہ ھمزہ وصل میں حذف نہیں ہوتا، پس جو ھمزہ وصل میں حذف ہو جائے اس کو ''وصلی'' اور ''عارضی'' بھی کہتے ہیں۔

[2] یعنی دوسرے ھمزہ کو اس سہولت سے ادا کرنا کہ نہ ضغطہ ہو اور نہ الف بلکہ درمیانی حالت سے ادا کیا جائے۔

[3] یعنی حذف کرنے سے یہ پتہ نہ چلے گا کہ ھمزہ موجودہ اصلی ہے یا وصلی، کیونکہ دونوں مفتوح تھے۔

جب دو ھــمــزہ جمع ہوں اور پہلا متحرک دوسرا ساکن ہوتو واجب ہے ہمزۂ ساکن کو پہلے همزہ کی حرکت کے موافق حرف سے بدلنا، مثل: اٰمَنُوْا، اِيْمَانًا، اُوْتُمِنَ، اِيْتِ، اور جب پہلا ہمزۂ وصلی ہو تو ابتداء کی حالت میں ہمزۂ ساکنہ بدلا جائے گا، اور جب ہمزۂ وصلی گر جائے گا تب ابدال نہ ہوگا مثل: اَلَّذِی اؤْتُمِنَ، فِی السَّمٰوَاتِ ائْتُوْنِیْ، فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ، ہمزۂ وصلی کے ماقبل جب کوئی کلمہ بڑھایا جائے گا تو یہ ھــمــزہ حذف کیا جائے گا اور ثابت رکھنا درست نہیں، البتہ ابتداء میں ثابت رہتا ہے۔ اگر لامِ تعریف کا ھــمــزہ ہے تو مفتوح ہوگا اور اگر کسی اسم کا همزہ ہے تو مکسور ہوگا اور اگر فعل کا ہے تو تیسرے حرف کا ضمّہ اگر اصلی ہے تو ھــمــزہ بھی مضموم ہوگا ورنہ مکسور، مثل: اَلَّــذِیْــنَ، اِسْــمِ، اِبْــنِ، اِنْتِــقَــامٍ، اُجْتُثَّتْ، اِضْرِبْ، اِنْفَجَرَتْ، اِفْتَحْ اور اِمْشُوْا، اِتَّقُوْا، اِئْتُوْا میں چونکہ ضمّہ عارضی ہے اس وجہ سے همزہ مضموم نہ ہوگا بلکہ مکسور ہوگا۔

فائدہ: ہمزہ (ع) کے ساتھ یا (ح) کے ساتھ یا حرفِ مدّہ (ع) یا (ح) کے ساتھ جمع ہوں ایسا ہی (ع، ہ) ایک ساتھ آئیں یا (ع، ح، ہ) ایک ساتھ آئیں یا (ع، ح، ہ) مکرّر آئیں یا مشدّد ہوں تو ہر ایک کو خوب صاف طور سے ادا کرنا چاہیے، مثل: اِنَّ اللّٰــهَ عَهِــدَ، فَــمَــنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ، فَاعِلِيْنَ، يَدَّعُوْنَ، دَعًّا، سَبِّحْهُ، عَلٰى اَعْقَابِكُمْ، اَحْسَنَ الْقَصَصِ، عَــلٰى عَــقِبَيْــهِ، اَعُــوْذُ، عَهِــدَ، عَاهَدَ، عَالَمِيْنَ، طُبِعَ، عَلٰى سَاحِرٍ، سَحَّارٍ، لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ، مَبْعُوْثُوْنَ، يٰنُوْحُ اهْبِطْ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، لَفِیْ عِلِّيِّيْنَ، جِبَاهُهُمْ.

فائدہ: ہمزۂ متحرک یا ساکن جہاں ہو اس کو خوب صاف طور سے پڑھنا چاہیے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ھــمــزہ الف سے بدل جاتا ہے یا حذف ہوجاتا ہے یا صاف طور سے نہیں نکلتا، خصوصاً جہاں دو ھــمــزہ ہوں وہاں زیادہ خیال رکھنا چاہیے کہ دونوں ھــمــزہ خوب صاف ادا ہوں، مثل: ءَاَنْذَرْتَهُمْ.

فائدہ: حرفِ ساکن کے بعد جب **همزه** آئے تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ساکن کا سکون تام ادا ہو اور **همزه** خوب صاف ادا ہو، ایسا نہ ہو کہ **همزه** حذف[1] ہوجائے اور اس کی حرکت سے ماقبل کا ساکن متحرک ہوجائے جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسا ہوجاتا ہے بلکہ وہ ساکن کبھی مشدّد بھی ہوجاتا ہے، مثل: قَدْ اَفْلَحَ، اِنَّ الْاِنْسَانَ، اسی وجہ سے حفص رحمۃ اللہ علیہ کے بعض طُرُق میں ساکن پر سکتہ[2] کیا جاتا ہے تاکہ **همزه** صاف ادا ہو، خواہ وہ ساکن اور همزه ایک کلمہ میں ہوں یا دو کلمہ میں ہوں۔

فصلِ ثامن: حرکات کی ادا کے بیان میں

فتحہ ساتھ انفتاحِ فم اور صَوت کے اور کسرہ ساتھ انخفاضِ فم اور صَوت کے اور ضمّہ ساتھ انضمامِ شفتین کے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ اگر فتحہ میں کچھ انخفاض ہوا تو فتحہ مشابہ کسرہ کے ہوجائے گا اور اگر کچھ انضمام ہوگیا تو فتحہ مشابہ ضمّہ کے ہوجائے گا، ایسا ہی کسرہ میں اگر کامل انخفاض نہ ہوگا تو مشابہ فتحہ کے ہوجائے گا بشرطیکہ انفتاح ہوگیا ہو، اور اگر کچھ انضمام پایا گیا تو کسرہ مشابہ ضمّہ کے ہوجائے گا، اور ضمّہ میں اگر انضمامِ کامل نہ ہوا تو ضمّہ مشابہ کسرہ کے ہوجائے گا بشرطیکہ کسی قدر انخفاض ہوگیا ہو اور اگر کسی قدر انفتاح پایا گیا تو فتحہ کے مشابہ ہوجائے گا۔

---

[1] اس لیے کہ لاپرواہی کی وجہ سے حرفِ ساکن کے بعد آنے سے **همزه** حذف ہوجاتا ہے یا غفلت کی وجہ سے ہمزۂ ساکنہ کا حرفِ مدہ سے ابدال ہوجاتا ہے یا حرفِ متحرک کے بعد بوجہ تساہلی همزه میں تسہیل ہوجاتی ہے، اس وجہ سے خصوصیّت کے ساتھ ان کو بیان فرمایا۔

[2] اگرچہ معمول بہا نہیں ہے لیکن سکتہ کی غرض یہی ہے جو کتاب میں مذکور ہے کیونکہ حرفِ ساکن کے بعد **همزه** میں خفا ہوجاتا ہے جیسا کہ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ نے سکتہ کی وجہ "بَیَاناً لِلْهَمْزَةِ لِخِفَائِهَا" بیان فرمائی ہے، ایسے سکتہ کو "سکتہ لفظی" کہتے ہیں یہ سکتہ وصل کے حکم میں ہے اور بروایتِ حفص ضعیف ہے۔

فائدہ: فتحہ جس کے بعد الف نہ ہو اور ضمّہ جس کے بعد واوٴ ساکن، اور کسرہ جس کے بعد یائے ساکن نہ ہو، ان حرکات کو اِشباع سے بچانا چاہیے ورنہ یہی حروف پیدا ہوجائیں گے۔ ایسا ہی ضمّہ کے بعد جب واوٴ مشدّد ہو اور کسرہ کے بعد یائے مشدّد ہو، مثل: عَدُوٌّ، سَوِيًّا، لُجِّيٍّ اس وقت بھی اِشباع سے احتراز نہایت ضروری[۱] ہے، خصوصاً وقف میں زیادہ خیال رکھنا چاہیے ورنہ مشدّد مخفّف[۲] ہوجائے گا۔

فائدہ: جب فتحہ کے بعد الف اور ضمّہ کے بعد واوٴ ساکن غیر مشدّد، اور کسرہ کے بعد یائے ساکن غیر مشدّد ہو تو اس وقت ان حرکات کو اِشباع سے ضرور[۳] پڑھنا چاہیے ورنہ یہ حرف ادا نہ ہوں گے خصوصاً جب کئی حرفِ مدّہ قریب قریب جمع ہوں تو زیادہ خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اکثر خیال نہ کرنے سے کہیں اِشباع ہوتا ہے اور کہیں نہیں۔

فائدہ: مَجْرٖىهَا جو سورۂ ہود میں ہے اصل میں لفظ مَجْرٰهَا ہے یعنی (را) مفتوح ہے اور اس کے بعد الف ہے، اس جگہ چونکہ ''امالہ'' ہے اس وجہ سے فتحہ خالص اور الف خالص نہ پڑھا جائے گا اور کسرہ اور نہ یائے خالص پڑھی جائے گی بلکہ فتحہ کسرہ کی طرف اور الف یا کی طرف مائل کرکے پڑھا جائے گا جس سے فتحہ کسرۂ مجہول کے مانند ہوجائے گا اور اس کے بعد یائے مجہول ہوگی، اور اس کے سوا اور کہیں امالہ نہیں ہے۔

فائدہ: کسرہ اور ضمّہ کلامِ عرب میں مجہول نہیں بلکہ معروف ہیں، اور ادا کی صورت یہ ہے کہ کسرہ میں انخفاضِ کامل کے ساتھ آواز کسرہ کی باریک نکلے اور ضمّہ میں انضمامِ شفتین کے ساتھ ضمّہ کی آواز باریک نکلے۔

---

۱ اس لیے کہ تشدید نہ ادا ہونے سے لحنِ جلی لازم آئے گا جو حرام ہے۔

۲ جیسے: وَتَبَّ سے وَتَبُ وغیرہ۔ اکثر لوگوں سے یہ غلطی ہوجاتی ہے اور احساس نہیں ہوتا، اس قسم کی غلطی سے لحنِ جلی لازم آئے گا۔

۳ اس لیے کہ حرف مدّ نہ ادا ہونے سے لحنِ جلی ہوگا۔

فائدہ: حرکات کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ مشابہ سکون کے ہوجائیں، ایسا ہی سکون کامل کرنا چاہیے تاکہ مشابہ حرکت کے نہ ہوجائے۔ اور اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ساکن حرف کی صَوت مخرج میں بندؔ[1] ہوجائے اور اس کے بعد ہی دوسرا حرف نکلے اور اگر دوسرے حرف کے ظاہر ہونے سے پہلے مخرج میں جنبش ہوگئی تو لامحالہ یہ سکون حرکت کے مشابہ ہوجائے گا، البتہ حروف قَلقَلہ اور کاف اور تا کے مخرج میں جنبش ہوتی ہے، فرق اتنا ہے کہ حروفِ قلقلہ میں جنبش سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کاف اور تا میں نہایت نرمی کے ساتھ جنبش ہوتی ہے۔

فائدہ: (ك) اور (ت) میں جو جنبش ہوتی ہے اُس میں (ہ) کی یا (س) یا (ث) کی بو آنی چاہیے۔

باب سوم:

فصلِ اول: اجتماعِ ساکنین کے بیان میں

اجتماعِ ساکنین (یعنی دو ساکن کا اکٹھا ہونا) ایک ''علیٰ حدّہٖ'' ہے دوسرا ''علیٰ غیر حدّہٖ''۔

علیٰ حدِہٖ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا ساکن حرف مدّہ ہو اور دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں، مثل: دَآبَّةٍ، آٰلْـٰٔنَ اور یہ اجتماعِ ساکنین جائز ہے، اور اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ جائز نہیں، البتہ وقف میں جائز ہے۔ اور اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدِہٖ اس کو کہتے ہیں کہ پہلا حرفِ ساکن مدّہ نہ ہو یا دونوں ساکن ایک کلمہ میں نہ ہوں، اب اگر پہلا ساکن حرفِ مدّہ ہے تو اس کو حذف کردیں گے، مثل: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا، وَقَالُوا الْـٰٔنَ،

[1] لیکن ساکن حرف کی آواز مخرج میں اس طرح نہ بند ہو کہ سکتہ ہوجائے بلکہ سکون تام ادا کرنے کے بعد فوراً مابعد کا حرف ادا ہوجائے۔

فِی الْاَرْضِ، تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، وَاسْتَبَقَا الْبَابَ، وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ، ذَاقَا الشَّجَرَةَ، اگر پہلا ساکن حرفِ مدّہ نہ ہو تو اس کو حرکت کسرہ کی دی جائے گی، مثل: اِنِ ارْتَبْتُمْ، وَاَنْذِرِ النَّاسَ، مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ، مگر جب پہلا ساکن میمِ جمع ہو تو ضمّہ دیا جائے گا، مثل: عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اور مِنْ جو حرفِ جر ہے اس کے بعد جب کوئی حرفِ ساکن آئے گا تو نونِ مفتوح پڑھا جائے گا، جیسے: مِنَ اللّٰهِ. ایسا ہی (م) الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ کی وصل میں مفتوح پڑھی جائے گی۔

فائدہ: بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ جو سورۂ حجرات میں ہے اس میں بِئْسَ کے بعد لامِ مکسور اس کے بعد سینِ ساکن ہے اور لام کے قبل اور بعد جو همزه ہے وہ ہمزۂ وصلی ہے، اس وجہ سے حذف کیے جائیں گے اور لام کا کسرہ بسبب اجتماعِ ساکنین کے ہے۔

فائدہ: کلمۂ مُنوّنہ یعنی جس کلمہ کے اخیر حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش ہوں تو وہاں پر ایک نونِ ساکن پڑھا جاتا ہے اور لکھا نہیں جاتا، اس نون کو نونِ تنوین کہتے ہیں، یہ تنوین وقف میں حذف کی جاتی ہے۔ مگر دو زبر ہوں تو اس تنوین کو الف سے بدلتے ہیں، جیسے: قَدِيْرٌ، بِرَسُوْلٍ، بَصِيْرًا اور وصل میں جب اس کے بعد ہمزۂ وصلی ہو تو ہمزۂ وصلی حذف ہو جائے گا اور یہ تنوین بسببِ اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدّہ کے مکسور پڑھی جائے گی اور اکثر جگہ خلافِ قیاس چھوٹا نون لکھ دیتے ہیں، مثل: بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ، خَيْرًا نِ الْوَصِيَّةُ، خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ، طُوًى ۝ نِ اذْهَبْ).

فائدہ: تنوین سے ابتداء کرنا یا دُھرانا درست نہیں[1]۔

---

[1] اسی طرح تنوین پر وقف بھی کرنا جائز نہیں لیکن چونکہ لفظ کَاَيِّنْ کی تنوین مصحف میں مرسوم ہے اس لیے اس نونِ تنوین پر وقف ثابت ہے۔ اس لفظ سے بروایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ وقف کی حالت میں تنوین حذف کرنا جائز نہیں۔

فصلِ ثانی: مدّ کے بیان میں

مدّ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اصلی اور (۲) فرعی۔

مدِّ اصلی اس کو کہتے ہیں کہ حروفِ مدّہ کے بعد نہ سکون ہو اور نہ ھمزہ ہو۔

مدِّ فرعی اس کو کہتے ہیں کہ حروفِ مدّہ کے بعد سکون یا ھمزہ ہو۔

اور یہ چار قسمیں ہیں: (۱) متّصل (۲) منفصل (۳) لازم (۴) عارض۔

یعنی حرفِ مدّہ کے بعد اگر ھمزہ آئے اور ایک کلمہ میں ہو تو اس کو مدِّ متّصل کہتے ہیں، اور اگر ھمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مدِّ منفصل کہتے ہیں، مثل: جَآءَ، جَآئِءَ، سُوْٓءَ، فِيٓ اَنْفُسِكُمْ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا، مَآ اَنْزَلَ حرفِ مدّ کے بعد جب سکون وقفی ہو مثل: رَحِيْمٌ، تَعْلَمُوْنَ، تُكَذِّبَانِ، کے تو اُس کو مدِّ عارض کہتے ہیں، اور اس میں طول، توسّط، قصر تینوں جائز ہیں۔ اور جب حرف مدّہ کے بعد ایسا سکون ہو کہ کسی[۱] حالت میں حرفِ مدّہ سے جدا نہ ہو سکے، اس کو مدّ لازم کہتے ہیں، اور یہ چار قسم پر ہے، اس واسطے کہ اگر حرفِ مدّہ حروفِ مقطّعات میں ہو تو حرفی کہتے ہیں ورنہ کلمی کہیں گے، پھر ہر ایک کلمی اور حرفی دو قسم پر ہے، مثقّل، مخفّف۔ اگر حرفِ مدّہ کے بعد مشدّد حرف ہے تو مثقّل کہیں گے اور اگر محض سکون ہے تو مخفّف ہوگی، مدّ لازم حرفی مثقّل اور مدِّ لازم حرفی مخفّف کی مثال: الٓمّٓ، الٓرٰ، الٓمّٓرٰ، كٓهٰيٰعٓصٓ، حٰمٓ عٓسٓقٓ، حٰمٓ، طٰسٓ، طٰسٓمّٓ، نٓ، صٓ، قٓ اور مدِّ لازم کلمی مثقّل کی مثال: دَآبَّةٌ اور مدِّ لازم کلمی مخفّف کی مثال: آٰلْـٰٔنَ اور جب (و) یا (ی) ساکن کے پہلے فتحہ ہو اور اسکے بعد ساکن

---

[۱] یعنی وصلاً اور وقفاً دونوں حالتوں میں پڑھا جاتا ہو، جیسے الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ. لیکن جس وقت اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے پہلا سکون نہ پڑھا جائے گا تو حرکت عارض ہوگی اس سے سکون کا عارض سمجھنا غلطی ہے، جیسے: الٓمّٓ ۞ اللّٰہ، اس میں سکونِ لازم ہی کی وجہ سے میم کے یا میں طول اولیٰ ہے اور حرکت عارضی کا خیال کر کے قصر بھی جائز ہے۔

حرف ہو تو اسکو مدِّلین کہتے ہیں اور اس میں قصر، توسّط، طول تینوں جائز ہیں، اور عینِ مریم کٓھٰیٰعٓصٓ اور عینِ شوریٰ حٰمٓ O عٓسٓقٓ میں قصر نہایت ضعیف ہے اور طول افضل اور اولیٰ ہے۔

فائدہ: سورۂ آلِ عمران کا الٓمٓ O اللّٰہ وصل کی حالت میں میم ساکن اجتماعِ ساکنین علیٰ غیر حدِّہٖ کی وجہ سے مفتوح پڑھی جائے گی اور اللّٰہ کا ھمزہ نہ پڑھا جائے گا۔ اور میم میں مدّ لازم ہے اس وجہ سے وصل میں طول اور قصر دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: حرفِ مدّہ جب موقوف ہو تو اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ ایک الف سے زائد نہ ہو جائے دوسرے یہ کہ بعد حرفِ مدّہ کے ھا یا ھمزہ نہ زائد ہو جائے، مثل: قَالُوْا، فِیْ، مَالًا. جیسا کہ اکثر خیال نہ کرنے سے ہو جاتا ہے۔

فصلِ ثالث: مقدار[1] اور اوجہ[2] مدّ کے بیان میں

مدِّ عارض اور مدِّلین عارض میں تین وجہ ہیں: (۱) طول (۲) توسّط (۳) قصر۔

فرق اتنا ہے کہ مدِّ عارض میں طول اولیٰ ہے، اس کے بعد توسّط، اس کے بعد قصر کا مرتبہ ہے۔ بخلاف مدِّلین عارض کے کہ اس میں پہلا مرتبہ قصر[3] کا ہے، اس کے بعد توسّط کا، اس کے بعد طول کا۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ مقدار طول کی کیا ہے؟ طول کی مقدار تین الف ہے اور

---

۱ جس ادا کے ذریعہ مدّ کا اندازہ کیا جائے اس کو "مقدار" کہتے ہیں۔ مثلاً: طول کی مقدارِ کشش تین الف اور پانچ الف ہے پس اسی اندازہ کے ساتھ ادا کرنے کا نام مقدار ہے۔

۲ اوجہ جمع وجہ کی ہے، یہاں وجہ کا اطلاق طول پر، توسّط پر، قصر پر ہوگا اور تینوں کو وجوہ یا اوجہ کہیں گے، قصر داخل فی الوجہ ہے لیکن مدِّ فرعی سے خارج ہے اس لیے کہ قصر ترکِ مدّ کا نام ہے لیکن مقدارِ طبعی میں بلاثبوت کمی بیشی کرنا حرام ہے، اور کیفیتِ مدّ دو ہیں طول اور توسّط۔ بلاثبوت طول کی جگہ توسّط اور توسّط کی جگہ طول کرنا جائز نہیں۔

۳ لیکن مدّ سے لین کا قصر کم ہوگا اس لیے کہ مدّہ زمانی اور حرفِ لین قریب آنی ہے۔

توسّط کی مقدار دو **الف**، اور ایک قول میں طول کی مقدار پانچ **الف** اور توسّط کی مقدار تین **الف** ہے، اور قصر کی مقدار دونوں قول میں ایک ہی **الف** ہے۔

فائدہ: مدِّ لازم کی چاروں قسموں میں طول علی التساوی ہوگا، اور بعض کے نزدیک مثقّل میں زیادہ مدّ ہے اور بعض کے نزدیک مخفف[۱] میں زیادہ مدّ ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک تساوی ہے۔

فائدہ: حرفِ موقوف مفتوح کے قبل جب حرفِ مدّہ یا حرفِ لین ہو مثل: عَالَمِيْنَ، لَاضَيْرَ تو تین وجہ وقف میں ہونگی: (۱) طول مع الاسکان (۲) توسّط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان۔ اور اگر حرفِ موقوف مکسور ہے تو وجہ عقلی چھ نکلتی ہیں۔

اس میں سے چار جائز ہیں: (۱) طول مع الاسکان (۲) توسّط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان (۴) قصر مع الروم ۔ اور (۱) طول مع الروم (۲) توسّط مع الروم۔ غیر جائز ہے اس لیے کہ مدّ کے واسطے بعد حرفِ مدّہ کے سکون چاہیے اور روم کی حالت میں سکون نہیں ہوتا بلکہ حرفِ متحرک ہوتا ہے۔ اور اگر حرفِ موقوف مضموم ہے مثل: نَسْتَعِيْنُ کے تو ضربی عقلی وجہیں نو ہیں۔

سات وجہیں جائز ہیں: (۱) طول مع الاسکان (۲) توسّط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان (۴) طول مع الاشمام (۵) توسّط مع الاشمام (۶) قصر مع الاشمام (۷) قصر مع الروم۔

اور دو غیر جائز ہیں: (۱) طول مع الروم (۲) توسّط مع الروم، جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا۔

فائدہ: جب مدِّ عارض یا مدِّ لین کئی جگہ ہوں تو اُن میں تساوی اور توافق کا خیال رکھنا چاہیے یعنی ایک جگہ مدِ عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے، اگر توسّط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسّط کرنا چاہیے، اگر قصر کیا ہے تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیے۔ ایسا ہی مدِّ لین میں بھی جب کئی جگہ ہو تو توافق ہونا چاہیے۔ اور جیسا کہ طول توسّط میں توافق ہونا چاہیے ایسا

---

[۱] اس لیے کہ حرفِ مدّہ کے بعد ساکن حرف کو معاً متحرک نہیں پڑھنا ہوتا بخلاف مدِّ لازم مثقّل کے کہ حرفِ مدّہ کے بعد سکون پڑھ کر فوراً متحرک پڑھنا ہوتا ہے۔

ہی مقدارِ طول تو سّط میں بھی توافق ہونا چاہیے، مثلاً: اَعُوذُ اور بَسْمَلَه سے رَبِّ الْعَالَمِيْنَ تک فصلِ کل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس[1] نکلتی ہیں۔ اس طرح پر کہ رَجِیْم کے اوجہ ثلاثہ مع الاسکان اور قصر مع الرّوم کو رَحِيْم کے مدّودِ ثلاثہ اور قصر مع الرّوم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں اور اِن سولہ کو اَلْعَالَمِيْنَ کے اوجہِ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجہیں ہوتی ہیں۔

جن میں چار بالاتفاق جائز ہیں: رَجِیْم، رَحِيْم، اَلْعَالَمِيْن میں (۱) طول مع الاسکان (۲) توسّط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان (۴) رَجِیْم، رَحِيْم میں قصر مع الرّوم اور اَلْعَالَمِيْن میں قصر مع الاسکان۔ بعض نے رَجِیْم، رَحِيْم کے قصر مع الروم کی حالت میں اَلْعَالَمِيْنَ میں طول، توسّط کو جائز رکھا ہے[2]۔ باقی بیالیس وجہیں بالاتفاق غیر جائز ہیں۔ اور فصلِ اوّل، وصلِ ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں بارہ نکلتی ہیں۔ اس طرح پر کہ رَجِیْم کے مدّود ثلاثہ اور قصر مع الرّوم کو اَلْعَالَمِيْن کے اوجہِ ثلاثہ میں ضرب دینے سے بارہ وجہیں ہوتی ہیں۔

---

[1] ان وجھوں کو اس وجہ سے بیان فرمایا تا کہ کوئی شخص وجوہِ ثلاثہ کو مدِّ عارض اور مدّلین عارض میں یا کئی مدّودِ عارض میں ضرب دیکر سب وجھوں کو بلا مساوات نہ پڑھنے لگے یا پڑھنے میں ترجیح بلا مرجح نہ لازم آئے اس وجہ سے تمام وہ وجوہ جو ضرب سے پیدا ہوتی ہیں ان کو بتانے کے خیال سے نکال کر جاری کراتے ہیں، چنانچہ بطریقِ تمثیل تین موقوف علیہ کے وجوہِ ضربی عقلی اڑتالیس بیان فرمائے ہیں، ان وجوہ کے نکالنے کے وقت وجوہ غیر صحیح اور عدمِ مساوات اور ترجیح کی طرف ہرگز ذہن کو متبادر نہ ہونا چاہیے ورنہ وجوہ سمجھ میں نہ آئیں گے کیونکہ عقلاً جس قدر وجہیں نکل سکتی ہیں ضرورتاً ان کا اس وقت اظہار ضروری ہے تا کہ ان میں سے وجوہِ صحیح اور غیر صحیح میں امتیاز ہو جائے۔

[2] اس وجہ سے کہ تساوی اور توافق نوعِ واحد میں شرط ہے چاہے باعتبارِ محلِ مدّ کے ہو یا باعتبارِ کیفیتِ وقف کے ہو، چونکہ رَجِیْم، رَحِيْم بحالت روم توافق نہ رہا اس وجہ سے باوجود عدمِ تساوی کے اَلْعَالَمِيْن میں توسّط کو بعض نے جائز رکھا ہے۔

ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں: (۱) طول مع الطّول مع الاسکان (۲) توسّط مع التوسّط مع الاسکان (۳) قصر مع القصر مع الاسکان (۴) قصر مع الرّوم مع القصر بالاسکان۔

اور دو وجہیں مختلف فیہ ہیں: (۱) قصر مع الروم مع التوسّط بالاسکان اور (۲) قصر مع الرّوم مع الطّول بالاسکان۔ باقی وجہیں بالاتفاق غیر جائز[۱] ہیں۔ اور وصلِ اول فصلِ ثانی میں بھی بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں اور ان میں چار صحیح ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں، اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں وہ بعینہٖ مثل فصلِ اول وصلِ ثانی کے ہیں اس وجہ سے نہیں بیان کی گئیں۔ اور وصلِ کل کی حالت میں اَلْـعَـالَـمِیْـن کے مدّودِ ثلاثہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور بسملہ میں پندرہ[۲] یا اکیس[۳] وجہیں صحیح ہیں۔

فائدہ: یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ اَلْـعَـالَـمِیْن پر وقف کیا جائے، اور اگر اَلـرَّحْـمٰنِ الرَّحِیْمِ پر یا یَوْمِ الدِّیْنِ یا نَسْتَعِیْنُ پر وقف کیا جائے گا یا کہیں وصل اور کہیں وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں ضربی نکلیں گی۔ اور ان میں وجہِ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وجہ میں ضعیف کو قوی پر ترجیح ہوجائے یا مساوات نہ رہے یا اقوالِ مختلفہ میں خلط ہوجائے تب یہ وجہ غیرِ صحیح ہوگی۔

فائدہ: جب مدِّ عارض اور مدِّلین عارض جمع ہوں تو اس وقت عقلی وجہیں کم از کم نو نکلتی ہیں، اب اگر مدِّ عارض مقدّم ہے لِین پر مثلاً: مِنْ جُوْعٍ، مِنْ خَوْفٍ تو چھ وجہیں جائز ہیں: (۱) طول مع الطّول (۲) طول مع التوسّط (۳) طول مع القصر (۴) توسّط مع التوسّط (۵) توسّط مع القصر (۶) قصر مع القصر۔

---

[۱] اس وجہ سے کہ عدمِ مساوات لازم آئے گا۔

[۲] چار فصلِ کل میں، چار فصلِ اول وصلِ ثانی میں، چار وصلِ اول فصلِ ثانی میں، اور تین وصلِ کل کی صورت میں، اس طرح پندرہ وجہیں جائز ہیں۔

[۳] یعنی پندرہ وجوہ متفقہ اور چھ مختلفہ جو تین صورتوں میں دو دو بیان کی گئی ہیں۔

اور تین وجہیں غیر جائز[1] ہیں: (۱) توسّط مع الطّول (۲) قصر مع التوسّط (۳) قصر مع الطّول۔
اور جب مدِّلین مقدم ہو، مثل: لَارَیْبَ ج فِیْهِ ج هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ تو اس وقت بھی نو وجہیں نکلتی ہیں۔

اس میں سے چھ وجہیں جائز ہیں: (۱) قصر مع القصر (۲) قصر مع التوسّط (۳) قصر مع الطّول (۴) توسّط مع الطّول (۵) توسّط مع التوسّط (۶) طول مع الطّول۔

تین غیر جائز ہیں: (۱) طول مع التوسّط (۲) طول مع القصر (۳) توسّط مع القصر۔ اور یہ وجہیں غیر جائز اس وجہ سے ہیں کہ حروفِ مدّہ میں مدّ اصل اور قوی ہے، اور حرفِ لین میں جو مدّ ہوتا ہے وہ تشبیہ[2] کی وجہ سے ہوتا ہے، اس وجہ سے حرفِ لین میں مدِّ ضعیف ہے اور ان صورتوں میں ترجیح ضعیف کی قوی پر ہوتی ہے اور یہ غیر جائز ہے۔ اور اگر موقوف علیہ میں بسببِ اختلافِ حرکات کے روم واشمام جائز ہو تو اس میں اور وجہیں زائد پیدا ہوں گی۔ اس میں بھی مساوات اور ترجیح کا خیال رکھنا چاہیے، مثل: مِنْ جُوْعٍ، مِنْ خَوْفٍ[3]۔

فائدہ: مدِّ متّصل اور منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں: دو الف، ڈھائی الف، چار الف اور منفصل میں قصر بھی جائز ہے۔ ان اقوال میں جس پر جی چاہے عمل کیا جائے گا مگر اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ مدِّ متّصل جب کئی جگہ ہوں تو جس قول کو پہلی جگہ لیا ہے وہی دوسری تیسری جگہ رہے، مثلاً: وَالسَّمَآءَ، بِنَآءً میں اگر اقوال کو ضرب دیا جائے تو نو وجہیں ہوتی ہیں اور ان میں سے تین وجہ مساوات کی ہیں وہ صحیح ہیں باقی چھ وجہیں غیر صحیح ہیں۔ ایسا ہی جب

---

[1] اس لیے کہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

[2] یعنی صلاحیتِ مدّ کی وجہ سے مدّ ہوتا ہے ورنہ اصلاً حرفِ لین حرفِ مدّہ نہیں ہے، لیکن اگر حرفِ لین میں صفتِ لین نہ ادا کی جائے یا حرفِ لین کو سخت کر دیا جائے تو حرف بھی غلط ہوگا اور مدّ بھی نہ ہو سکے گا۔

[3] یہ مثالیں وقف بالرّوم کی ہیں، اور وقف بالاشمام کی مثال: اِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ۝ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ہے۔

مدِّ منفصل کئی جمع ہوں تو اُن میں بھی اقوال کو خلط نہ کرے، مثلاً: لَاتُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اس میں بھی یہ نہ ہونا چاہیے کہ پہلی جگہ ایک قول دوسری جگہ دوسرا قول لیا جائے بلکہ مساوات کا خیال رکھنا چاہیے۔[1]

فائدہ: جب مدِّ منفصل اور متّصل جمع ہوں اور منفصل مقدّم ہو متّصل پر، مثل: هٰٓـؤُلَآءِ کے تو جائز ہے منفصل میں قصر اور دو الف، اور متّصل میں دو الف، ڈھائی الف، چار الف، اور جب منفصل میں ڈھائی الف مدّ کیا جائے تو متّصل میں ڈھائی الف، چار الف مدّ جائز ہے اور دو الف غیر جائز ہے اس واسطے کہ متّصل منفصل سے اقویٰ ہے اور ترجیح ضعیف کی قوی پر غیر جائز ہے۔ اور جب منفصل میں چار الف مدّ کیا تو متّصل میں صرف چار الف مدّ ہوگا اور ڈھائی الف، دو الف اس صورت میں غیر جائز ہوگا، وجہ وہی رجحان[2] کی ہے۔ اور جب مدِّ متّصل منفصل پر مقدّم ہو، مثل: جَآءُوْٓا اَبَاهُمْ تو اگر متّصل میں چار الف مدّ کیا تو منفصل میں چار الف، ڈھائی الف، دو الف، اور قصر جائز ہے اور اگر ڈھائی الف مدّ کیا ہے تو منفصل میں ڈھائی الف، دو الف اور قصر جائز ہے اور چار الف غیر جائز ہے۔ ایسا ہی اگر متّصل میں دو الف مدّ کیا ہے تو منفصل میں صرف دو الف اور قصر ہوگا اور ڈھائی الف، چار الف، مدّ نہ ہوگا۔[3]

---

[1] اسی طرح ان مدّوں میں لغرض الاعلان بھی کہیں دو کہیں ڈھائی کہیں چار الف نہ پڑھنا چاہیے اس لیے کہ ان میں خلف واجب ہے جس کا حکم یہ ہے کہ جس سے جس طرح ثابت ہو اسی طرح پڑھنا چاہیے، بخلافِ مدِّ عارض کے کہ اس میں تمام قرّاء سے تینوں وجہیں طول، توسّط، قصر ثابت ہے۔ ایسے اختلاف کو خلافِ جائز کہتے ہیں۔ البتہ افہام اور تفہیم کے لیے جس طرح کتاب میں بیان کیا گیا اسی طرح لکھ کر مقدارِ ضربی سے وجہ صحیح اور غیر صحیح نکال کر سمجھ لیا جائے اور اگر متّصل و منفصل ایک جگہ آئے اور ان میں مساوات نہ رہے تو کوئی حرج نہیں لیکن منفصل کو متّصل پر ترجیح نہ دینا چاہیے اس لیے کہ متّصل منفصل سے قوی ہے۔

[2] یعنی ترجیح لازم آئے گی۔

[3] تاکہ ترجیح لازم نہ آئے۔

فائدہ: جب متّصل منفصل کئی جمع ہوں مثل: بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ تو انہیں قواعد پر قیاس کر کے وجہ صحیح غیرِ صحیح نکال لی جائے۔

فائدہ: جب متّصل کا ھمزہ اخیر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے مثل: يَشَآءُ، قُرُوٓءٍ، نَسِیٓءٌ تو اس صورت میں طول بھی جائز ہے اور سکون کی وجہ سے قصر جائز نہ ہوگا، اس واسطے کہ اس صورت میں سببِ اصلی کا اِلغاء اور سببِ عارضی کا اعتبار لازم آتا ہے اور یہ غیر جائز ہے۔ اور اگر وقف بالرّوم کیا ہے تو صرف توسّط ہوگا۔[1]

فائدہ: خلافِ جائز[2] سے جو وجہیں نکلتی ہیں مثل: اوجہِ بَسۡمَلہ وغیرہ کے ان میں سب وجہوں کا ہر جگہ پڑھنا معیوب ہے، اس قسم کی وجہوں میں ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے البتہ افادہ کے لحاظ سے سب وجہوں کا ایک جگہ جمع کر لینا معیوب نہیں۔

فائدہ: اس فصل میں جو غیر جائز اور غیر صحیح کہا گیا ہے مراد اس سے غیر اولیٰ ہے، قاریِ ماہر کے واسطے معیوب ہے۔

فائدہ: اختلافِ مراتب میں خلط کرنا یعنی ایک لفظ کا اختلاف دوسرے پر موقوف ہو، مثلاً: فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ اس میں اٰدَمُ کو مرفوع پڑھیں تو كَلِمٰتٍ کو منصوب پڑھنا ضروری ہے، ایسا ہی بالعکس[3]۔ ایسے اختلاف کے موقع پر خلط بالکل حرام ہے اور اگر ایک روایت کا التزام کر کے پڑھا اور اس میں دوسرے کو خلط کر دیا تو کذب فی الرّوایت لازم آئے گا اور علیٰ حسب التّلاوت خلط جائز ہے، مثلاً: حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں دو طریق مشہور

---

[1] روم اگر چہ از قسمِ وقف ہے لیکن حکم میں وصل کے ہے اس وجہ سے صرف مدِّ متّصل کا توسّط ہوگا۔

[2] یعنی جن مختلف فیہ وجہوں پر تمام قرّاء کا اتفاق ہو مثل کیفیتِ وقف، اسکان، اشمام، روم یا مدِّ عارض کے وجوہِ ثلاثہ وغیرہ اس میں کسی ایک وجہ کا پڑھنا کافی ہے۔

[3] لیکن بروایتِ حفص رحمۃ اللہ علیہ یہ عکس جائز نہیں۔

ہیں، ایک امام شاطبی، دوم جزری رحمہما اللہ تو ان میں خلط کرنا اس لحاظ سے کہ دونوں وجہ حفص رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہیں، کچھ حرج[1] نہیں خصوصاً جب ایک وجہ عوام میں شائع ہوگئی اور دوسری وجہ مشہور ثابت عندالقرّاء متروک[2] ہوگئی ہوتو ایسی صورت میں لکھنا، پڑھنا پڑھانا نہایت ضروری ہے، متأخرین کے اقوال وآراء میں خلط کرنا چنداں مضائقہ[3] نہیں۔

فصلِ رابع: وقف کے احکام میں

وقف کے معنی اخیر کلمۂ غیر موصول پر سانس کا توڑنا۔ اب اگر وہاں پر کوئی آیت ہے یا کوئی وقف اوقافِ معتبرہ سے ہے تو بعد کے کلمہ سے ابتداء کرے ورنہ جس کلمہ پر سانس توڑے اس کا اعادہ کرے، اور وسطِ کلمہ پر اور ایسا ہی جو کلمہ دوسرے کلمہ سے موصول ہو اس پر وقف جائز نہیں۔ ایسا ہی ابتدا اور اعادہ بھی جائز نہیں۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ جس کلمہ پر سانس توڑنا چاہتا ہے اگر وہ پہلے سے ساکن ہے تو محض وہاں پر سانس توڑ دیں گے، اور اگر وہ کلمہ اصل میں ساکن ہے مگر حرکت اس کو عارض ہوگئی ہے تب بھی وقف محض اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل: عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ، وَاَنۡذِرِ النَّاسَ. اور اگر وہ حرفِ موقوف متحرک ہے تو اس کے اخیر میں (ت) بصورتِ (ہ) ہوگی یا نہیں ہوگی، اگر (ت) بصورتِ (ہ) ہے تو وقف میں اس (ت) کو (ہ) ساکنہ سے بدل دیں گے، مثل:

---

[1] جب کہ التزامِ طرق مقصود نہ ہو اور اگر التزامِ طریق ہو یعنی یہ خیال کر کے پڑھے کہ ہم فلاں طریق سے پڑھیں گے تو اس صورت میں خلط کرنا درست نہیں، مثلاً: بطریق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ منفصل میں قصر نہیں ہے تو طریق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے والوں کے لیے قصر جائز نہیں کیونکہ کذب فی الطرق لازم آئے گا۔

[2] یعنی جو وجہ قرّاء سے ثابت ہو اور عوام نے پڑھنا پڑھانا ترک کردیا ہو ایسی وجھوں کی بابت حکم بیان فرمایا ہے۔

[3] یعنی جب کہ التزامِ طرق مقصود نہ ہو تو اختلاطِ طرق اور خلط فی الاقوال جائز ہے، جیسا کہ کتاب میں مذکور ہے۔

رَحْمَةٌ، نِعْمَةٌ اور اگر ایسا نہ ہوتو آخر حرف پر اگر دوزبر ہیں تو تنوین کو الف سے بدل دیں گے، مثل: سَوَاءً ۚ، هُدًى O اور اگر حرفِ موقوف پر ایک زبر ہے تو وقف صرف اسکان کے ساتھ ہوگا، مثل: يَعْلَمُوْنَ کے اور اگر اخیر حرف پر ایک پیش یا دو پیش ہوں، مثل: وَبَرْقٌ، يَفْعَلُ تو وقف اسکان اور اشمام اور روم تینوں سے جائز ہے۔ اشمام کے معنی ہیں حرف کو ساکن کر کے ہونٹوں کو ضمّہ کی طرف اشارہ کرنا اور روم کے معنی ہیں حرکت کو خفی صوت سے ادا کرنا اور اگر اخیر حرف پر ایک زیر یا دو زیر ہوں، مثل: ذُوانْتِقَامٍ، وَلَا فِي السَّمَآءِ تو وقف میں اسکان اور روم دونوں جائز ہیں۔

فائدہ: روم اور اشمام اسی حرکت پر ہوگا جو کہ اصلی ہوگی، اور اگر حرکت عارضی ہوگی تو روم واشمام جائز نہ[1] ہوگا، مثل: اَنْذِرِ النَّاسَ، عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ.

فائدہ: روم کی حالت میں تنوین حذف ہوجائے گی، جیسا کہ ہاءِ ضمیر کا صلہ وقف بالروم اور بالاسکان میں حذف ہوتا ہے، مثل: بِهٖ، لَهٗ کے۔

فائدہ: اَلظُّنُوْنَا اور اَلرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِيْلَا جو سورۂ احزاب میں ہے اور پہلا قَوَارِيْرَا جو سورۂ دہر میں ہے اور اَنَا جو ضمیر مرفوع منفصل ہے ایسے ہی لٰكِنَّا جو سورۂ کہف میں ہے، ان کے آخر کا الف وقف میں پڑھا جائے گا اور وصل میں نہیں پڑھا جائے گا اور سَلَا سِلَا جو سورۂ دہر میں ہے جائز ہے وقف کی حالت میں اثباتِ الف اور حذفِ الف۔

فائدہ: آیات پر وقف کرنا زیادہ احب اور مستحسن ہے، اور اس کے بعد جہاں م لکھی ہو، اور اس کے بعد جہاں ط لکھی ہو، اور اس کے بعد جہاں ج لکھی ہو، اس کے بعد جہاں ز لکھی ہو۔ اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح نہ دینا چاہیے، یعنی آیت کو چھوڑ کر غیرِ آیت پر وقف کرنا یا (م) کی

[1] اس لیے کہ سکونِ اصلی مانعِ روم واشمام ہے، لفظ اَنْذِرِ میں (د) کا زیر اور عَلَيْكُمُ کی میم کا پیش یہ حرکت عارضی اجتماعِ ساکنین کی وجہ سے ہے۔

جگہ وصل کر کے (ط) وغیرہ پر وقف کرنا، بلکہ ایسا انداز رکھے کہ جب سانس توڑے تو آیت پر یا (م، ط) پر بعض کے نزدیک جس آیت کو مابعد سے تعلّقِ لفظی ہو تو وہاں پر وصل اولیٰ ہے فصل سے۔ اور وصل کی جگہ صرف وقف یا وقف کی جگہ صرف وصل کرنے سے معنی نہیں بدلتے، اور محقّقین کے نزدیک یہ نہ گناہ ہے نہ کفر ہے البتہ قواعدِ عرفیہ[1] کے خلاف ہے جن کا اتباع کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ایہامِ معنی غیر مراد لازم نہ آئے۔ ایسا ہی اعادہ میں بھی لحاظ رکھنا چاہیے، بعض جگہ اعادہ نہایت قبیح ہوتا ہے جیسا کہ وقف کہیں حسن کہیں احسن کہیں قبیح کہیں اَقبح ہوتا ہے، ایسا ہی اعادہ بھی چار قسم کا ہوتا ہے۔ تو جہاں سے اعادہ حسن یا اَحسن ہو وہاں سے کرنا چاہیے ورنہ اعادۂ قبیح سے ابتداء بہتر ہے، مثلاً: قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ سے اعادۂ حسن ہے اور اِنَّ اللّٰهَ سے قبیح ہے۔

فائدہ: تمام اوقاف پر سانس توڑنی باوجود دم ہونے کے کرنا چاہیے۔ قاری کی مثال مثل مسافر اور اوقاف کو مثل منازل کے لکھتے ہیں، تو جب ہر منزل پر بلاضرورت ٹھہرنا فضول اور وقت کو ضائع کرنا ہے تو ایسا ہی ہر جگہ وقف کرنا فعلِ عبث ہے، جتنی دیر وقف کرے گا اتنی دیر میں ایک دو کلمہ ہو جائیں گے۔ البتہ لازم مطلق[2] پر اور ایسے ہی جس آیت کو مابعد سے تعلّقِ لفظی نہ ہو ایسی جگہ وقف کرنا ضروری اور مستحسن ہے۔ اور کلمہ کو محض ساکن کرنا یا اور جو احکام وقف کے ہیں ان کو کرنا بلا سانس توڑے، اس کو وقف نہیں کہتے یہ سخت غلطی ہے۔

فائدہ: کلمات میں تقطیع[3] اور سکتات نہ ہونا چاہیے خصوصاً سکون پر، البتہ جہاں روایتاً ثابت ہوا

---

[1] یعنی جن قواعد کی پابندی عرفاً ضروری ہے کہ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو غلط پڑھنے والا قابلِ ملامت ہے، یہاں پر اس سے مراد قواعدِ عربیہ ہیں۔

[2] یعنی وقفِ لازم ہو یا وقفِ مطلق ہو۔

[3] غلطی سے تقطیع وسطِ کلمہ میں ہوتی ہے اور سکتہ آخرِ کلمہ میں ہوتا ہے، باقی کیفیتِ ادا میں کچھ فرق نہیں، آواز دونوں میں بند ہو جاتی ہے اور سانس دونوں میں جاری رہتا ہے، صرف اطلاق اور محل کا فرق ہے۔

ہے وہاں سکتہ کرنا چاہیے، اور یہ چار جگہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اور عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے، اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا، یہ سخت غلطی ہے۔ وہ سات جگہ یہ ہیں۔ دُلِلْ، هـرَبْ، کِيَوْ، كَـنَـعْ، كَنَسْ، تَعَلَ، بِعَلَ اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا اوّل کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات گڑھ لیے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے، جیسا کہ ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مقدمہ جزریّہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وَمَا[1] اشْتَهَرَ عَلٰی لِسَانِ بَعْضِ الْجَهَلَةِ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِي سُورَةِ الْفَاتِحَةِ لِلشَّيْطٰنِ كَذَا مِنَ الْاَسْمَاءِ فِي مِثْلِ هٰذِهِ التَّرَاكِيْبِ مِنَ الْبِنَاءِ فَخَطَاٌ فَاحِشٌ وَاِطْلَاقٌ قَبِيْحٌ ثُمَّ سَكْتُهُمْ عَلٰی نَحْوِ دَالِ الْحَمْدِ، وَكَافِ اِيَّاكَ، وَاَمْثَالِهَا غَلَطٌ صَرِيْحٌ".

فائدہ: كَـــاَيِّـنْ میں جو نونِ ساکن ہے یہ نونِ تنوین کا ہے اور مرسوم ہے۔ اس لفظ کے سوا مصحفِ عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی جاتی۔ اور قاعدے سے یہاں تنوین وقف کی حالت میں حذف ہونا چاہیے مگر چونکہ وقف تابع رسمِ خط کے ہوتا ہے اور یہاں تنوین مرسوم ہے، اس وجہ سے وقف میں ثابت رہے گی۔

فائدہ: آخر کلمہ کا حرفِ علت جب غیر مرسوم ہو تو وقف میں بھی محذوف ہوگا اور جو مرسوم ہوگا وہ وقف میں بھی ثابت ہوگا، ثابت فی الرّسم کی مثال: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ، تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ، لَاتَسْقِى الْحَرْثَ اور محذوف فی الرّسم کی مثال: فَـارْهَبُوْنِ، وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ سورۂ نساء میں، نُـنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ سورۂ یونس میں، مَتَابِ، عِقَابِ سورۂ رعد میں۔

[1] ترجمہ: "اور بعض جہلاء کی زبان پر جو مشہور ہے کہ قرآن میں سورۂ فاتحہ کے اندر مثل ان تراکیبِ مذکورہ میں شیطان کے سات نام ہین، پس یہ سخت غلطی اور اطلاقِ قبیح ہے پھر ان کا اَلْحَمْدُ کی دال اور اِيَّاكَ کے کاف پر اور اس کی امثال میں سکتہ کرنا کھلی غلطی ہے۔"

مگر سورۂ نمل میں جو فَمَآ اٰتٰنِۦَ اللّٰہُ ہے اس کی (ی) باوجودیکہ غیر مرسوم ہے وقف میں اثبات اور حذف جائز ہے، اس واسطے کہ وصل میں حفص رحمۃ اللہ علیہ اس کو مفتوح پڑھتے ہیں، مثل: وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ سورۂ بنی اسرائیل میں، وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ سورۂ شوریٰ میں، يَدْعُ الدَّاعِ سورۂ قمر میں، سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ سورۂ علق میں، اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ سورۂ نور میں، اَيُّهَ السَّاحِرُ سورۂ زخرف میں، اَيُّهَ الثَّقَلَانِ سورۂ رحمٰن میں۔ البتہ اگر تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہو تو اس قسم کا محذوف وقف میں ثابت ہوگا، اس کی مثال: يُحْيِ، وَيَسْتَحْيِ، وَاِنْ تَلْوٗا، لِتَسْتَوٗا، جَآءَ، مَآءَ، سَوَآءَ، تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ.

فائدہ: لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ اصل میں لَاتَاْمَنُنَا دو نون ہیں اور پہلا نون مضموم ہے دوسرا مفتوح اور لا نافیہ ہے۔ اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں، بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام ضرور کرنا چاہیے اور اظہار کی حالت میں روم ضروری ہے۔

فائدہ: حروف مبداء[1] اور موقوف کا خیال رکھنا چاہیے کہ کامل طور سے ادا ہوں خاص کر جب ھمزہ یا عینِ موقوف کسی حرفِ ساکن کے بعد ہو، مثل: شَيْءٌ، سُوْءٍ، جُوْعٍ اکثر خیال نہ کرنے سے ایسے موقع پر حرف بالکل ادا نہیں ہوتا یا ناقص ادا ہوتا ہے۔

فائدہ: نونِ خفیفہ قرآن شریف میں دو جگہ ہے ایک وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصَّاغِرِيْنَ سورۂ یوسف میں، دوسرا لَنَسْفَعًا سورۂ علق میں۔ یہ نون وقف میں الف سے بدل جائے گا اس وجہ سے کہ اس کی رسم الف کے ساتھ ہے۔

---

[1] یعنی جس کلمہ سے ابتداء کی جائے۔

خاتمہ:[1]

فصلِ اوّل

جاننا چاہیے کہ قاری مُقرِی کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) علمِ تجوید: یعنی حروف کے مخارج اور اُس کی صفات کا جاننا۔

(۲) علمِ اوقاف: یعنی اس بات کو جاننا کہ اِس کلمہ پر کس طرح وقف کرنا چاہیے، اور کس طرح نہ کرنا چاہیے، اور کہاں معنی کے اعتبار سے قبیح اور حسن ہے، اور کہاں لازم اور غیر لازم ہے۔ تجوید کے اکثر مسائل بیان ہو چکے ہیں اور اوقاف جو قبیلِ ادا سے ہیں وہ بھی بیان کر دیے گئے اور جو قبیلِ معانی سے ہیں مختصر طور سے ان کے رموز کا بھی جو دال علی المعانی ہیں، بیان کر دیا اور بالتفصیل بیان کرنے سے کتاب طویل ہو جائے گی جبکہ مقصود اختصار ہے۔

(۳) رسمِ عثمانی: اس کا بھی جاننا نہایت ضروری ہے یعنی کس کلمہ کو کہاں پر کس طرح لکھنا چاہیے کیونکہ کہیں تو رسم مطابق تلفظ کے ہے اور کہیں غیر مطابق۔ اب اگر ایسے موقع پر جہاں مطابقت نہیں ہے وہاں لفظ کو مطابق رسم کے تلفظ کیا تو بڑی بھاری غلطی ہو جائے گی، مثلاً: رَحْمٰن بغیر الف کے لکھا جاتا ہے اور بِاَیْیدٍ سورۂ ذاریات میں دو (ی) سے لکھا جاتا ہے اور لَاِالَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ، لَا اَوْضَعُوْا، لَا اَذْبَحَنَّهٗ، لَا اَنْتُمْ ان چار جگہوں میں لام تاکید کا ہے اور لکھنے میں لام الف ہے، اب ان جگہوں میں مطابقتِ رسم سے لفظ مہمل اور مثبت منفی ہو جاتا ہے اور یہ رسم توقیفی[2] اور سماعی ہے اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں، اس واسطے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جس وقت قرآن شریف نازل ہوتا تھا اسی وقت لکھا جاتا تھا۔

---

[1] مشتمل بر مسائل جزئیہ متفرعہ علیٰ مسائل الفن۔

[2] یعنی جس طرح جو رسم ثابت ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس متفرق طور سے لکھا ہوا تھا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اکٹھا ایک جگہ جمع کیا گیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہایت ہی اہتمام اور اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدّد قرآن شریف لکھوا کر جابجا بھیجے گئے۔ جمعِ اول اور جمعِ ثانی میں اتنا فرق ہے کہ پہلی دفعہ میں جمع غیرِ مرتب تھا اور جمعِ ثانی میں سورتوں کی ترتیب کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کام کو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کیونکہ یہ کاتب الوحی تھے اور عرضۂ اخیرہ[۱] کے مشاہد اور اسی عرضہ کے موافق جناب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سنایا تھا اور باوجود سارے کلام مجید مع سبعہ احرف کے حافظ ہونے کے پھر بھی یہ احتیاط اور اہتمام تھا کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم تھا کہ جو کچھ جسکے پاس قرآن شریف لکھا ہوا ہو وہ لاکر پیش کریں اور کم از کم دو دو گواہ بھی ساتھ رکھتا ہو کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ لکھا گیا ہے اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا تھا ویسا ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھوایا، بلکہ بعض ائمہ اہلِ رسم اس کے قائل ہیں کہ یہ رسمِ عثمانی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور املاء سے ثابت ہوئی ہے۔ اس طرح پر یہ قرآن شریف باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس رسمِ خاص پر غیر مُعرّب غیر مُنقّط لکھا گیا۔ اس کے بعد قرنِ ثانی میں آسانی کی غرض سے اعراب اور نقطے بھی حروف میں دیئے گئے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ رسم توقیفی ہے ورنہ جس طرح ائمہ دین نے اعراب اور نقطے آسانی کے لیے دیئے ہیں ایسا ہی رسم غیر مطابق کو مطابق کر دیتے، اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم اس غیر مطابق اور زوائد کو

---

[۱] اس کے معنی دَوَر کے ہیں یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ جو آخر مرتبہ قرآن پاک کا دَور فرمایا تھا۔

دیکھتے اور پھر اس کی اصلاح نہ فرماتے، خاص کر قرآن شریف میں۔ اسی واسطے جمیع خلفاء اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے اس رسم کو تسلیم کیا ہے اور اس کے خلاف کو خلاف کی جگہ جائز نہیں رکھا۔ اور بعض اہلِ کشف نے اس رسمِ خاص میں بڑے بڑے اسرار بیان کیے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رسم بہ منزلۂ حروفِ مقطّعات اور آیاتِ متشابہات کے ہے: وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا.

(۴) علمِ قرأت: یہ وہ علم ہے جس سے اختلاف الفاظ وحی کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور قرأت دو قسم پر ہے:

(۱) وہ قرأت ہے جس کا پڑھنا صحیح ہے اور اس کی قرآنیت کا اعتقاد کرنا ضروری اور لازمی ہے اور انکار واستہزاء گناہ اور کفر ہے۔ اور یہ وہ قرأت ہے جو قرّاءِ عشرہ سے بطریقِ تواتر اور شہرت ثابت ہوئی ہے۔

(۲) قرأت ان سے بطریقِ تواتر اور شہرت ثابت نہیں ہوئیں یا ان کے ماسوا سے مروی ہیں وہ سب شاذّہ ہیں، اور شاذّہ کا حکم یہ ہے کہ اس کا پڑھنا قرآنیت کے اعتقاد سے یا اس طرح کہ سامع کو قرآن شریف پڑھے جانے کا وہم ہو، حرام اور ناجائز ہے۔ آج کل یہ بلا بہت ہو رہی ہے کہ کوئی قرأتِ متواترہ پڑھے تو مسخرا پن کرتے ہیں اور ٹیڑھی بانکی قرأت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور بعض حفّاظ قاری صاحب بننے کے لیے تفسیر وغیرہ دیکھ کر اختلافِ قرأت سے پڑھنے لگتے ہیں اور یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ کونسی قرأت ہے، آیا اس کا پڑھنا صحیح ہے یا نہیں، اور شاذ ہے یا متواتر، دونوں حضرات کا حکم ماسبق سے معلوم ہو چکا کہ کس درجہ بُرا کرتے ہیں۔

فصلِ ثانی

قرآن شریف کو الحان اور انغام کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ بعض حرام، بعض مکروہ، بعض مباح اور بعض مستحب کہتے ہیں۔

پھر اطلاق اور تقیید میں بھی اختلاف ہے مگر قولِ محقّق اور معتبر یہ ہے کہ اگر قواعدِ موسیقیہ کے لحاظ سے قواعد تجوید کے بگڑ جائیں تب تو مکروہ یا حرام ہے ورنہ مباح ہے یا مستحب۔

اور مطلقاً تحسینِ صوت سے پڑھنا مع رعایتِ قواعدِ تجوید کے مستحب اور مستحسن ہے، جیسا کہ اہلِ عرب عموماً خوش آوازی اور بلاتکلّف بلا رعایتِ قواعدِ موسیقیہ سے ذرّہ بھر بھی واقف نہیں ہوتے اور نہایت ہی خوش آوازی سے پڑھتے ہیں، اور یہ خوش آوازی اُن کی طبعی اور جبلی ہے، اسی واسطے ہر ایک کا لہجہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے، ہر ایک اپنے لہجے کو ہر وقت پڑھ سکتا ہے، بخلاف انغام کے کہ ان کے اوقات مقرر ہیں کہ دوسرے وقت میں نہیں بنتے اور نہ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوگیا کہ نغم اور لہجے میں کیا فرق ہے؟ طرزِ طبعی کو لہجہ کہتے ہیں بخلاف نغم کے۔

اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ انغام کسے کہتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ تحسینِ صوت کے واسطے جو خاص قواعد مقرر کیے گئے ہیں ان کا لحاظ کرکے پڑھنا یعنی کہیں گھٹانا کہیں بڑھانا، کہیں جلدی کرنا کہیں نہ کرنا، کہیں آواز کو پست کرنا کہیں بلند کرنا، کسی کلمہ کو سختی سے ادا کرنا کسی کو نرمی سے، کہیں رونے کی سی آواز نکالنا، کہیں کچھ، کہیں کچھ، جو جانتا ہے وہ بیان کرے۔ البتہ جو بڑے بڑے اس فن کے ماہر ہیں اُن کے قول یہ سنے گئے ہیں کہ اس سے کوئی آواز خالی نہیں ہوتی۔ ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی قاعدہ موسیقی کا پایا جائے گا۔ خصوصاً جب انسان ذوق و شوق میں کوئی چیز پڑھے گا باوجودیکہ وہ کچھ بھی اس فن سے واقف نہ ہو مگر کوئی نہ کوئی نغم سرزد

ہوگا، اسی واسطے بعض محتاط لوگوں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا ہے کہ تحسینِ صوت کا ذرّہ بھر بھی نام نہ آئے کیونکہ تحسینِ صوت کو لازم ہے نغم، اور اس سے احتیاط ضروری ہے، اور یہی بعض اہلِ احتیاط، اہلِ عرب کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لوگ تو گا کے پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تحسین کسی طرح ممنوع نہیں اور نہ اس سے مفّر ہے۔

خلاصہ اور ماحصل ہمارا یہ ہے کہ قرآن شریف کو تجوید سے پڑھے اور فی الجملہ خوش آوازی سے پڑھے اور قواعدِ موسیقیہ کا خیال نہ کرے کہ موافق ہے یا مخالف، اور صحتِ حروف اور معانی کا خیال کرے، اور معنی اگر نہ جانتا ہو تو اتنا ہی خیال کافی ہے کہ مالک الملک عزّ و جل کے کلام کو پڑھ رہا ہوں اور وہ سن رہا ہے اور پڑھنے کے آداب مشہور ہیں۔[1]

تَمَّتْ بالخَیر

[1] قرآن مجید کا ادب و احترام بہت ضروری ہے۔ اس کی بابت چند مسائل اگلے صفحہ میں درج کرتے ہیں۔

احقر ابن ضیاء محبّ الدین احمد عفی عنہ

قرآن مجید پڑھنے کے آداب

مسئلہ (۱): پڑھنے والے کو چاہیے کہ پاک وصاف ہو اور باوضو قبلہ رو ہو کر پاک جگہ بیٹھ کر پڑھے۔

مسئلہ (۲): بلاوضو قرآن مجید کو نہ چھونا چاہیے۔

مسئلہ (۳): قرآن مجید نہایت خشوع خضوع کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ (۴): قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ (۵): قرآن مجید کو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰه پڑھ کر شروع کرنا چاہیے، لیکن سورۂ توبہ کے شروع میں بِسْمِ اللّٰه نہ پڑھنا چاہیے، چاہیے شروعِ قرأت ہو یا درمیانِ قرأت ہو اور اگر درمیانِ قرأت میں سورۂ توبہ شروع کریں تو کسی قسم کا استعاذہ نہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ (۶): قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔

مسئلہ (۷): قرآن مجید سننا تلاوت کرنے اور نفل پڑھنے سے افضل ہے۔

مسئلہ (۸): قرآن مجید بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے، جب کہ کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو ایذاء نہ پہنچے۔

مسئلہ (۹): قرآن مجید کے پڑھنے میں صحتِ الفاظ اور قواعدِ تجوید کا بہت لحاظ رکھنا چاہیے حتی الامکان اوقاف میں بھی غلطی نہ ہونا چاہیے۔

مسئلہ (۱۰): جو شخص غلط قرآن مجید پڑھتا ہو تو سننے والے پر واجب ہے کہ بتا دے بشرطیکہ بتانے کی وجہ سے کینہ وحسد پیدا نہ ہو۔

مسئلہ (۱۱): تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔

مسئلہ (۱۲): قرآن مجید جب ختم ہو تو تین بار سورۂ اخلاص پڑھنا بہتر ہے۔

مسئلہ (۱۳): قرآن مجید ختم کر کے دوبارہ شروع کرتے ہوئے مُفْلِحُوْنَ تک پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ (۱۴): قرآن مجید ختم ہونے پر دعا مانگنا چاہیے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

مسئلہ (۱۵): تلاوت کرتے وقت کوئی شخصِ معظّمِ دینی مثلاً: بادشاہِ اسلام یا عالمِ دین یا پیر یا استاذ یا والد آجائے تو تلاوت کرنے والا اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوسکتا ہے۔

مسئلہ (۱۶): غسل خانہ اور موضعِ نجاست میں قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں۔

یادداشت

من منشورات مكتبة البشرى

الكتب العربية

الكتب المطبوعة

(ملونة، مجلدة)

الهداية (٨ مجلدات)
الصحيح لمسلم (٧ مجلدات)
مشكاة المصابيح (٤ مجلدات)
نور الأنوار (مجلدين)
تيسير مصطلح الحديث
كنز الدقائق (٣ مجلدات)
التبيان في علوم القرآن
مختصر المعاني (مجلدين)
تفسير الجلالين (٣ مجلدات)
منتخب الحسامي
نور الإيضاح
أصول الشاشي
نفحة العرب
شرح العقائد
تعريب علم الصيغة
مختصر القدوري
شرح تهذيب

(ملونة كرتون مقوي)

متن العقيدة الطحاوية
هداية النحو (مع الخلاصة)
هداية النحو (المتداول)
شرح مائة عامل
دروس البلاغة
شرح عقود رسم المفتي
البلاغة الواضحة
زاد الطالبين
المرقات
الكافية
شرح تهذيب
السراجي
إيساغوجي
الفوز الكبير

كتب تحت الطباعة

(ستطبع قريبا بعون الله تعالى)

(ملونة، مجلدة)

المقامات للحريري
التفسير للبيضاوي
الموطأ للإمام محمد
المسند للإمام الأعظم
تلخيص المفتاح
المعلقات السبع
ديوان المتنبي
التوضيح والتلويح
عوامل النحو
الموطأ للإمام مالك
قطبي
ديوان الحماسة
الجامع للترمذي
الهدية السعيدية
شرح الجامي

☆……☆……☆

Books In Other Languages

English Books

Tafsir-e-Uthmani (Vol. 1, 2, 3)
Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Key Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Al-Hizbul Azam (Large) (H. Binding)
Al-Hizbul Azam (Small) (Card Cover)
Secret of Salah

Other Languages

Riyad Us Saliheen (Spanish) (H. Binding)
Fazail-e-Aamal (Germon) (H. Binding)

To be published Shortly Insha Allah

Al-Hizbul Azam (French) (Coloured)

مکتبة البشریٰ کی مطبوعات

اردو کتب

مطبوعہ کتب

(رنگین مجلد)

لسان القرآن (اول، دوم، سوم)	تعلیم الاسلام (مکمل)
خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی	بہشتی زیور (۳ حصے)
الحزب الاعظم (ماہانہ ترتیب پر)	تفسیر عثمانی (۲ جلد)
خطبات الاحکام لجمعات العام	

رنگین کارڈ کور

الحزب الاعظم (جیبی) ماہانہ ترتیب پر	تیسیر المنطق
الحجامۃ (پچھنا لگانا) جدید ایڈیشن	علم النحو
علم الصرف (اولین و آخرین)	جمال القرآن
عربی صفوۃ المصادر	سیر الصحابیات
عربی کا آسان قاعدہ	تسہیل المبتدی
فارسی کا آسان قاعدہ	فوائد مکیہ
عربی کا معلم (اول، دوم)	بہشتی گوہر
خیر الاصول فی حدیث الرسول	تاریخ اسلام
روضۃ الادب	زاد السعید
آداب المعاشرت	تعلیم الدین
حیاۃ المسلمین	جزاء الاعمال
تعلیم الاسلام (مکمل)	جوامع الکلم

مجلد / کارڈ کور

فضائل اعمال	منتخب احادیث
مفتاح لسان القرآن (اول، دوم، سوم)	اکرام مسلم

☆……☆……☆

زیر طبع کتب

حصن حصین	تعلیم العقائد
آسان اصول فقہ	فضائل حج
عربی کا معلم (سوم، چہارم)	معلم الحجاج